صوت

النجف الاشرف

لسماحة آية الله العظمى المرجع الديني الكبير الشيخ بشير حسين النجفي دام ظله الوارف

ماہنامہ علمی سماجی رسالہ شمارہ ۸ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ

بقیۃ اللہ خیر لکم

ان کنتم مومنین

فہرست

5 اسدِ آل محمد حضرت ابو الفضل عباس علیہ السلام

7 توحید در خالقیت (حصہ سوم)

9 حقیقی انتظار اور ثقافتِ مہدویہ (عجل اللہ فرجہ)

15 ولادتِ امام مہدی علیہ السلام اور تواتر کا دعویٰ

20 مرجع عالی قدر دام ظلہ سے پوچھے گئے سوالات اور ان کے جوابات

سماحۃ آیۃ اللہ العظمیٰ المرجع الدینی الکبیر الشیخ بشیر حسین النجفی

مدیر اعلیٰ

سماحۃ الشیخ علی النجفی

انتظامی مدیر

شیخ قیصر عباس

نظارت

سید تنویر عباس رضوی

سید نسیم نقوی

معاون

شیخ محمد تقی ہاشمی

شیخ محمد مجتبیٰ نجفی

تزیین و آرائش و سرورق

بھاء کنانی

فوٹو گرافر

حسین الجبوری

رسالے کی سالانہ ممبرشپ حاصل کرنے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں۔

00923125197082

اپنی تجاویز دینے کے لئے ہمیں ای میل کریں۔

Email:m.urdu@alnajafy.com

009647601601182

صوت النجف الاشرف کو مقالات و تحریروں میں تدوین و ترمیم کا مکمل اختیار ہے۔

تصور
امام مھدی (ع) اور
مذاہب عالم

مہدویت کا تصور مختلف عناوین کے ساتھ تمام ادیان اور فرقوں میں پایا جاتا ہے، اور ہر مذہب اپنے ماننے والوں کو اس ہستی کی بشارت دیتا ہے جس کی آمد کے بعد بنی نوع انسان پہ چھائی ہوئی ظلم و جور کی تاریک گھٹائیں ختم ہو کر سعادت اور خوش بختی میں تبدیل ہو جائیں گی، اور انسان فلاح و بہبود ، خوشحالی، نیک بختی، سعادتمندی اور ترقی کی اس منزل پہ پہنچ جائے گا کہ جس کی آرزو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ہر انسان کے دل میں دھڑکنوں کی صورت موجود ہے۔

اسی طرح اسلام جو کہ دینِ فطرت ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لیے مکمل سعادت اور آئینِ حیات قرار دیا ہے، اپنے ماننے والوں کو اس ہادیِ برحق کے انتظار کا حکم دیتا ہے جس کے ذریعے خداوندِ عالم اپنے تمام وعدے پورے کرے گا اور عدل و انصاف اور اسلام کو پوری دنیا پہ نافذ کر کے انسان کو اس کے حقیقی مقامِ سعادت تک پہنچا دے گا۔ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ علیہم السلام سے مروی سینکڑوں بلکہ ہزاروں احادیث میں اس مہدیٔ برحق کے بارے میں بہت تاکید کی گئی ہے، اور ہمیں اس مہدیٔ اہلبیت علیہم السلام کے انتظار میں رہنے کا حکم دیا ہے جس کے ذریعے خالقِ کائنات دنیا سے ظلم و جور کو ختم کر کے اسے ہمیشہ کے لیے عدل و انصاف سے بھر دے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ''افضل اعمال امتی انتظار الفرج من اللہ عز و جل '' یعنی میری امت کا سب سے افضل ترین عمل کشائش یعنی امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا انتظار کرنا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ''انتظروا الفرج و لا تیأسوا من رَوح اللہ ان احب الاعمال الی اللہ عزوجل انتظار الفرج'' یعنی کشائش (ظہورِ امام مہدی علیہ السلام) کا انتظار کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اور اللہ عز و جل کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل امام علیہ السلام کے ظہور کا انتظار ہے۔

امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی اتنی زیادہ روایات کے سبب مسلمانوں کے تمام فرقوں کے درمیان حضرت امام مہدی علیہ السلام کے وجود اور ان کے ایک دن ظہور میں کوئی اختلاف نہیں ہے، تمام فرقے اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام مہدی علیہ السلام ظہور فرما کر پوری دنیا کو عدل و انصاف سے اس طرح پُر کردیں گے جس طرح سے پہلے یہ ظلم و جور سے بھری ہوگی

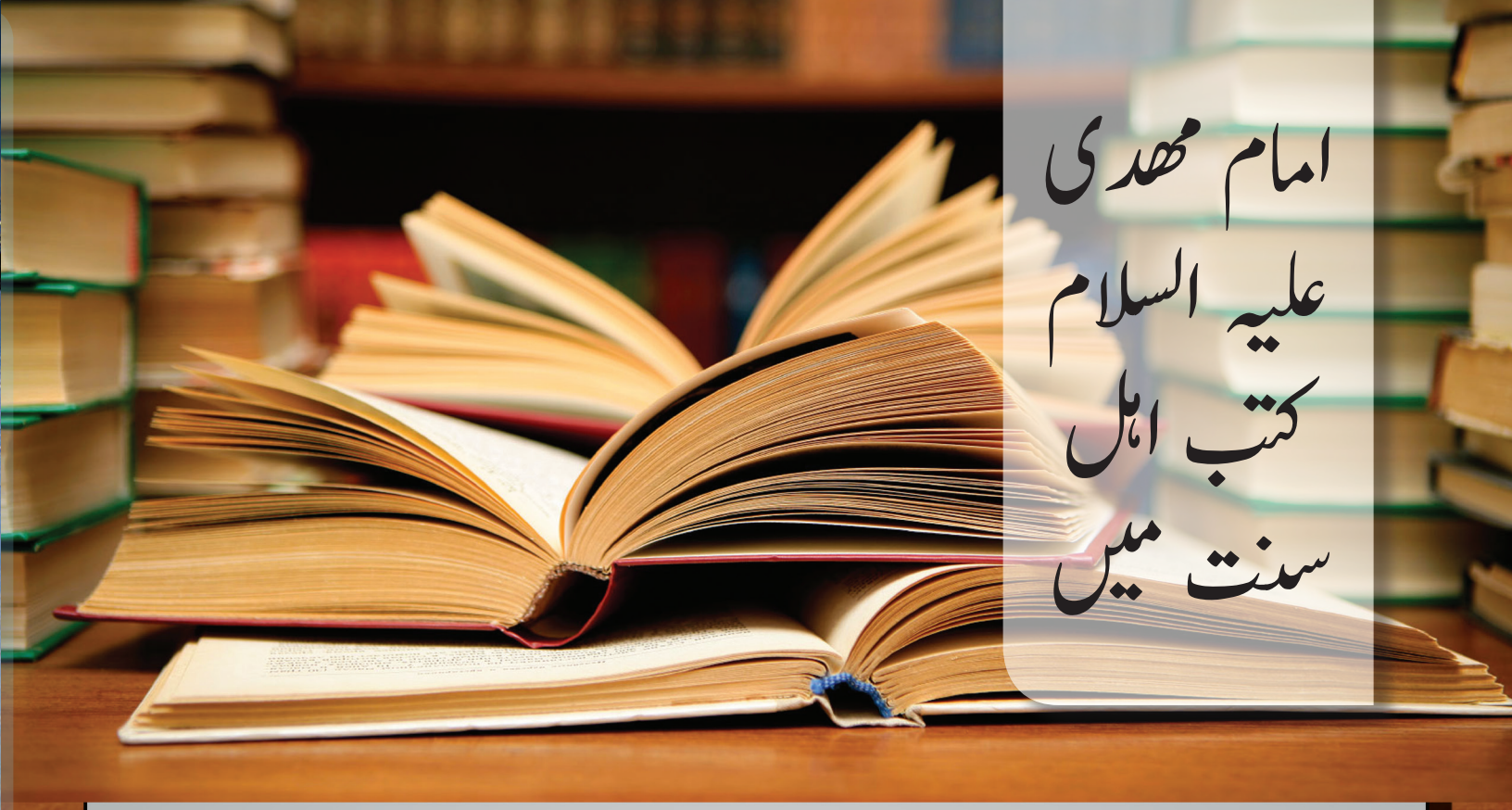

امام مھدی علیہ السلام کتب اہل سنت میں

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ : كُنَّا عِنْدَ أُمِّ سَلَمَةَ فَتَذَاكَرْنَا الْمَهْدِيَّ فَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْمَهْدِيُّ مِنْ وَلَدِ فَاطِمَةَ

(سنن ابن ماجہ ج۲ ص۱۳۶۸ بیروت)

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت امام مھدی علیہ السلام حضرت فاطمہ سلام اللہ علیھا کی اولاد سے ہیں ۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَمْتَلِئَ الْأَرْضُ ظُلْمًا وَعُدْوَانًا قَالَ ثُمَّ يَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ عِتْرَتِي أَوْ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يَمْلَؤُهَا قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَعُدْوَانًا

(مسند احمد ج۳ ص۳۶ بیروت طبع اول)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جہاں تک کہ زمین ظلم و جور سے بھر جائے گی ،فرمایا : پھر میری عترت ،اہلبیت سے ایک مرد (حضرت امام مھدی علیہ السلام) نکلے گا کہ جو زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا کہ جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی تھی ۔

عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنْ الدَّهْرِ إِلَّا يَوْمٌ لَبَعَثَ اللَّهُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يَمْلَؤُهَا عَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا

(سنن ابی داود ج ۴ ص ۱۷۴ بیروت)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر زمانے کا فقط ایک ہی دن باقی رہ جائے تب بھی اللہ میرے اہلبیت سے ایک ایسے مرد کو مبعوث کرے گا کہ جو زمین کو عدل سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم سے بھر چکی تھی۔

قَالَ : يَخْرُجُ فِي آخِرِ أُمَّتِي الْمَهْدِيُّ يَسْقِيهِ اللَّهُ الْغَيْثَ ، تُخْرِجُ الأَرْضُ نَبَاتَهَا ، وَيُعْطَى الْمَالُ صِحَاحً

(جمع الجوامع او الجامع الکبیر للسیوطی باب حرف الیاء)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے آخری زمانے میں حضرت مھدی علیہ السلام نکلیں گے کہ جن کی اللہ نصرت کرے گا اور زمین اپنے خزانے نکال دے گی اور وہ لوگوں میں عدل سے مال کو تقسیم کرے گا۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَهْدِيُّ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ

(مسند احمد بن حنبل ج۱ ص ۸۴ بیروت)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت امام مھدی علیہ السلام ہم اہلبیت میں سے ہیں ۔

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّايَاتِ السُّودَ قَدْ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ خُرَاسَانَ ، فَأْتُوهَا ؛ فَإِنَّ فِيهَا خَلِيفَةَ اللهِ الْمَهْدِيَّ.

(مسند احمد بن حنبل ج۵۵ ص۲۷۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم خراسان کی طرف سے آتے ہوئے سیاہ پرچم دیکھو تو ان سے مل جاؤ کیونکہ بے شک ان میں اللہ کا خلیفہ حضرت مھدی علیہ السلام ہوگا۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ

(صحیح بخاری ج۳ ص ۱۲۷۲ بیروت)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت تم کیسے ہوگے کہ جب مریم کے بیٹے عیسی علیہ السلام تم میں نازل ہوں گے اور تمہارا امام (حضرت مھدی علیہ السلام) تم میں سے ہوگا۔

اسدِ آل محمد حضرت ابو الفضل عباس علیہ السلام

شیخ قیصر عباس نجفی

وہ شجاع جس پہ شجاعت کو ناز ، اسدِ آل محمد ابو الفضل عباس چار شعبان کو وفا کا پیکر، قمر بنی ہاشم اور باب الحوائج بن کر باب الحوائج کے گھر آئے ۔

آپ کا نام عباس ہے اس بارے میں ایک شاعر نے یوں کہا ہے کہ :

واسمہ العباس و ہو اسم الاسد

بل ھو الاشجع ان فی الحرب شد

آپ کا نام عباس ہے اور عباس شیر کا نام ہے بلکہ جب آپ میدان حرب میں دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں تو شیر سے بھی زیادہ شجاع ہوتے ہیں ۔ لسان العرب عربی لغت کی ایک کتاب ہے اس نے عباس کے یوں معنی تحریر کئے ہیں کہ عباس اس شیر کو کہتے ہیں جس کو دیکھ کر دوسرے شیر بھی ڈر کر بھاگ جائیں اس لئے انتہائی بہادر شخص کو عباس کہتے ہیں ۔ جب کہ ایک اور صاحب نے یوں معنی تحریر کیا ہے کہ عباس اور عبوس دونوں شیر کے نام ہیں جب شیر کے تیور بدلے ہوئے ہوں تو اس کو عباس کہتے ہیں ۔

منتہی الادب کے مؤلف یوں لکھتے ہیں کہ عباس مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس مرد پر بولا جاتا ہے جو انتہائی شجاع ہو پیش قدمی کرنے والا ہو بہت رعب اور دبدبے والا ہو اور بہت جم کر لڑنے والا ہو ، نیز شیر کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور اکثر میدان جنگ میں بپھرے ہوئے شیر کو عباس کہتے ہیں ۔

آپ کی کنیت ابو الفضل اور ابو فاضل ہے ۔ حضرت عباس کی یہ کنیت مدح اور ثنا کی حکایت کرتی ہے ۔

اس کنیت سے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس سے آپ کے بیٹے فضل کی طرف اشارہ ہو بلکہ آپ کی مدح میں ایک شاعر نے اس کنیت کے معنی کو یوں بیان کیا ہے :

ابا الفضل یامن اسس الفضل الاباء

ابی الفضل الا ان تکون لہ ابا

اے شہزادہ ابو الفضل العباس آپ نے فضل و فضیلت اور خود داری اور غیرت کی بنیاد رکھی بلکہ فضیلت کا تاج آپ کے علاوہ کسی اور کے سر کی

زینت بننے سے انکاری نظر آتا ہے۔
اس کے علاوہ ابو القاسم اور ابو القربہٰ بھی آپ کی کنیتیں ہیں۔
حضرت عباس کے القاب بھی تاریخ میں موجود ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں: ۱: بابُ الحسین (حسین کا دروازہ) ۲: باب الحوائج (حاجتوں کا دروازہ) ۳: السَّقّاءُ یعنی پانی پلانے والا ۴: سَاقِی عُطَاشیٰ کربلاء یعنی کربلاء کے پیاسوں کا ساقی ۵: قمر بنی ہاشم یعنی بنی ہاشم کا چاند ۶: قَمَرُ العَشِیرۃ یعنی خاندان کا چاند ۷: حَامِل اللِّوَاءِ یعنی علمدار ۸: بَطَلُ العَلْقَمی یعنی نہر علقمہ کا بہادر ۹: کَبشُ الکَتِیبَۃ یعنی سالار لشکر ۰۱: حَامِی الظَّعِینَۃ یعنی محافظ محمل مستورات ۱۱: سَبعُ القَنطَرۃ یعنی وہ مرد شجاع جو حفاظتی پل پر دسمن کو روکے رکھے۔ ۲۱: الضیغم یعنی شیر ۳۱: العبد الصالح یعنی صالح انسان ۴۱: العابد یعنی عبادت گزار ۵۱: الطَّیّار یعنی اڑنے والا ۶۱: الشهید یعنی شہید ۷۱: الصدیق یعنی دوست ۸۱: الفادی یعنی وہ جس نے اپنے پاکیزہ جسم کو فدیہ حسین علیہ السلام بنا دیا۔ ۹۱: المُؤثِر یعنی ایثار کرنے والا ۰۲: المُوَاسِی یعنی تسلی دینے والا ۱۲: الحامی و المحامی یعنی دشمنوں سے دفاع کرنے والا ۲۲: قائد الجیش یعنی قافلہ سالار ۳۲: المُستَجَار یعنی فریاد رس ۴۲: الوَاقِی یعنی بچانے والا ۵۲: السَّاعِی یعنی مستقل مزاجی سے کوشش کرنے والا ۶۲: المُصَفّی یعنی صاحب خلوص ۷۲: اسد آل محمد یعنی آل محمد کا شیر ان بالا القابات میں سے ایک لقب مولا باب الحوائج عباس علیہ السلام کا باب الحسین ہے۔
اس موقع پر ایک شاعر نے عربی میں ایک خوبصورت شعر کہا ہے کہ:

ابا الفضل انت الباب للسبط مثل ما
ابو ک علی کان بابا لاحمد

اے ابوالفضل العباس آپ فرزند رسول ﷺ کے لئے ایسے ہی دروازہ ہیں جیسا کہ آپ کے والد گرامی علی علیہ السلام احمد مرسل ﷺ کے لئے دروازہ تھے۔
مشہور خطیب، استاد، شیخ محمد علی یعقوبی قصیدہ کے چند اشعار حضرت عباس کے روزہ اقدس کے سونے کے ایوانوں میں لگے چاندی کے دروازوں پر لکھے گئے ہیں جن میں سے چند اشعار یہ ہیں کہ جب میں حضرت عباس علیہ السلام کو انہوں نے باب الحسین سے تعبیر کیا ہے:

ہو باب الحسین ما خاب یوما
و افد جاء لائذا فی حماہ
انہ باب حطۃ لیس یخشی
کل ہول مستمسک فی عراہ
قف بہ داعیا و فیہ توسل
فیہ المرء یستجاب دعاہ

آپ باب الحسین ہیں، آپ کی پناہ لینے والے کی امید کبھی نہیں ٹوٹتی، آپ وہ باب حطہ ہیں کہ جس کے گوشے میں جم کر بیٹھنے والا بے خوف ہوجاتا ہے اے مانگنے والو یہیں بیٹھ کر مانگو اور توسل کرو چونکہ یہیں انسان کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔
حضرت عباس علیہ السلام سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے لئے باب ہیں اپنے باب کی مثل، لیکن اس سے مراد کوئی سرکاری اور سیاسی باب و حاجب نہیں ہیں جیسا کہ دور جاہلیت کے سلاطین عوام الناس کو خود سے دور رکھنے کے لئے ابواب مقرر کرتے تھے وہ طریقہ جاہلیت اب بھی رؤساء اور جمہوری فرمان روا عوام کو دور رکھنے اور ان کے اوپر اپنی حکومت اور فوقیت کا رعب جمانے کے لئے استعمال کرتے ہیں مگر سرکارِ وفا دروزاہ حسین علیہ السلام ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ آپ معنویات و معارف، روحانیات و فضائل کی طرف کھلنے والا، ایمان و تقوی، قرب خداوندی، قرب رسول اور قرب اولیاء کی طرف لے جانے والا معنوی اور روحانی دروازہ ہیں۔ آپ ایسے روحانی دربان ہیں جو امام حسین علیہ السلام کی ذات اقدس میں موجزن، معارف و فضائل اور مکارم و اخلاق کے سمندر سے مخلوق خدا کو سیراب کرنے کا وسیلہ بنتے ہیں۔
توگویا مولا حسین علیہ السلام کی ذات اقدس سے جتنے فیوضات و برکات ہم کو حاصل ہو رہی ہیں ان کا باب عباسؑ ہے۔
حضرت عباسؑ کا ایک لقب باب الحوائج بھی ہے ایک شاعر نے باب الحوائج کا معنی خوبصورتی کے ساتھ اپنے شعر میں یوں بیان فرمایا ہے کہ:

باب الحوائج ما دعتہ مروعۃ
فی حاجۃ الا یقضی حاجتہا

باب الحوائج وہ ہے کہ جسے جب بھی کوئی خوف زدہ شخص اپنی حاجت کے وقت پکارے تو اس کی حاجت کو پورا کر دے۔
بے شک چودہ معصومین علیہم السلام اور آپ کی اولاد اور آپ کے احباب و انصار سب ابواب الحوائج ہیں۔ یہ خوشنودی اور اور جنت الفردوس کے لئے وسیلہ ہیں لیکن ان مقدس ہستیوں میں بعض ایسے ہیں جو باب الحوائج کی حیثیت سے معروف و مشہور ہیں اور وہ چار ہستیاں یہ ہیں:
۱: حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام
آپ بین المسلمین باب الحوائج کے طور پر معروف ہوئے چونکہ چشم فلک نے آپ کی ذات سے اور آپ کے مرقد اطہر سے بے شمار کرامات اور معجزات کا مشاہدہ کیا ہے اور اس بات کا اعتراف اہلسنت کے علماء بھی کرتے ہیں جیسا کہ تاریخ بغداد میں امام شافعی نے کہا کہ:
حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کا روزہ مبارک دکھی دلوں کے لئے نسخہ اکسیر ہے اور روحانی و قلبی امراض کے لئے شفا ہے۔
۲: حضرت علی اصغر علیہ السلام ۳: حضرت عباس کی والدہ حضرت بی بی ام البنین علیہا السلام ہیں ۴: حضرت عباس علیہ السلام ہیں۔
شاعر یوں نظرانہ عقیدت بیان کرتا ہے:

ابا الفضل انی جئتک الیوم سائلا
لتیسر ما اجوا فانت اخو الشبل
فلا غرو ان اسعفت مثلی بائسا
لانک للحاجات تدعی ابو الفضل

اے ابو الفضل العباس میں آج حاجت روائی کے لئے آپ کے در پر سائل بن کر آیا ہوں چونکہ آپ نواسہ رسول ﷺ کے بھائی ہیں اگر آپ میرے جیسے مفلس کی حاجت روائی کر دیں تو کوئی تعجب نہیں ہے کیونکہ حاجات پوری کرنے کی ہی وجہ سے ہی آپ کو ابو الفضل کے نام سے پکار ا جاتا ہے۔

توحید در خالقیت (حصہ سوم)

گروہی کاوش طلاب حوزہ علمیہ نجف اشرف

اہل حدیث کے نزدیک توحید در خالقیت

اشاعرہ کا یہ نظریہ ہے کہ انسان کے تمام افعال خدا کی مخلوق ہیں اور ان افعال کی ایجاد میں انسان کا کوئی کردار نہیں بلکہ کائنات میں موجود ہر جوہر وعرض بلاواسطہ خدا کی مخلوق ہے اور اس عالم کی ایجاد اور خدا کے درمیان کسی قسم کا کوئی واسطہ موجود نہیں ۔امام اشعری نے بھی اس عقیدے میں اہل حدیث کی پیروی کی ہے بالفاظ دیگر یوں کہا جائے گا کہ اس کا ئنات میں سوائے ذات احدیت کے کوئی اصلی ، تبعی ذاتی یا ظلی مؤثر موجود نہیں ہے ۔

اور اللہ تعالی ان تمام اسباب میں مؤثر حقیقی وعلت مباشر ہے اور انسان کا فعل بھی اس سے خالی نہیں اور خدا کی مخلوق ہے۔اس نظریے کو خلق افعال" یا خلق اعمال " کا نام دیا جاتا ہے۔

امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری (۲۶۰۔۳۲۴ھ) نے اپنی زندگی کے چالیس سال مذہب معتزلہ میں گزارنے کے بعد اہل سنت بالاخص امام حنبل کے منہج کو اختیار کیا اور جامع بصرہ میں منبر نشین ہو کر اہل بصرہ سے ان الفاظ میں مخاطب ہوا۔"جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا تو اس کو میں اپنا تعارف کرائے دیتا ہوں " میں فلاں ابن فلاں ہوں پہلے میں خلق قرآن کا قائل تھا اور یہ نظریہ رکھتا تھا کہ اللہ کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور میرا یہ بھی نظریہ تھا کہ افعال شر کو میں انجام دیتا ہوں ۔اب میں ان نظریات سے توبہ کرتا ہوں ۔(ص ۲)

اپنے قارئین محترم کو امام احمد اور ان کے بعد اشعری کے اختیار کردہ نظریہ توحید در خالقیت سے آگاہ کرنے کے لیے ہم بعض نصوص پیش کرتے ہیں۔

۱): شیخ اشعری نے مقالات اسلامین میں اھل سنت و اہل حدیث کے عقائد بیان کرتے ہوئے کہا " وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ

اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں ، انسان سے صادر شدہ برائیوں کا بھی خدا خالق ہے ، انسان کے تمام افعال خدا کے خلق کردہ ہیں اور

انسان اپنے اعمال میں سے کسی بھی عمل کو ایجاد کرنے پر قادر نہیں ہے ۔

۲): سید شریف جرجانی شرح المواقف میں لکھتے ہیں "انسان کے اختیاری افعال اللہ کی قدرت سے وقوع پذیر ہوتے ہیں اور قدرت انسانی اس میں کار فرما نہیں ہے ۔اللہ کی یہ سنت ہے کہ وہ انسان میں قدرت واختیار ایجاد فرماتا ہے اور مانع کی عدم موجودگی کی صورت میں قدرت و اختیار کیساتھ ہی فعل کو بھی خلق فرما دیتا ہے تو اس طرح انسان کا فعل اللہ کی مخلوق قرار پاتا ہے جس کو وہ خدا سے کسب کرتا ہے ۔کسب سے مراد ہے کہ فعل کی ایجاد قدرت کی ایجاد سے متصل ہوتی ہے جس میں انسان کا کوئی کردار نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ فعل کا محل قرار پاتا ہے اور یہ ہی شیخ ابوالحسن الاشعری کا مذہب ہے۔اس نظریہ کا قہری و لازمی نتیجہ یہ ہے کہ صفحہ وجود سے اسباب و مسببات کا انکار کر دیا جائے ۔پس اس عالم وجود میں سوائے خدا کے کوئی خالق نہیں اور اس کے علاوہ

جو بھی ہے وہ صرف مخلوق ہے اور اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان کوئی واسطہ موجود نہیں کہ حتی کہ اذن خدا کیساتھ اثر کرنے والا سبب بھی موجود نہیں ۔بیان کردہ تفصیلات کے مطابق ہم کہہ سکتے ہیں کہ " اشاعرہ نے علیت و معلولیت تاثیر و تاثر کے فطری قانون کا انکار کیا ہے اور گمان کیا ہے کہ تمام ظواہر طبیعیہ کے آثار بلاواسطہ اللہ کے ایجاد کردہ ہیں ۔پس ان کے مطابق آگ گرم ہے " سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی سنت ہے کہ جب بھی وہ آگ کو خلق فرماتا ہے ساتھ ہے بلاواسطہ وہ حرارت کو بھی خلق فرماتا ہے اور آگ اس حرارت کی موجد نہیں ہے۔اسی طرح سورج اور اس کی روشنی چاند اور اس کی چاندنی کی مثال ہے ۔پس اللہ کی سنت ہے کہ وہ جیسے ہی سورج اور چاند کو خلق فرماتا ہے ساتھ ہی بلاواسطہ روشنی و چاند نی کو بھی خلق فرما دیتا ہے اور یہاں بھی سورج و روشنی اور چاند اور چاندنی میں علت و معلول کا قانون کار فرما نہیں ہے۔گویا کہ اشاعرہ کے مطابق اس عالم وجود میں صرف ایک ہی علت اور ایک ہی مؤثر ہے اور وہ مؤثر اللہ کی قدرت کے ذریعے علل ومعلول کے نظام کے بغیر ہی ا س کائنات کی موجودات پر اثر انداز ہوتا ہے ۔ ان کے مطابق خودخدا تمام علل و اسباب کے قائم مقام ہے ۔ پس جب اشاعرہ سبب و مسبّب کے منکر ہوئے تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ انسان اپنے افعال میں مجبور ہو جائے گا یعنی تمام اعمال انسانی خدا ئی مخلوق ہیں اور ان کی ایجاد میں کسی سبب وعلت کی ضرورت نہیں ہے اور ساتھ ساتھ اشاعرہ جزا وسزاکے نظام پر بھی یقین رکھتے ہیں تو ان دو باتوں کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جو افعال انسان کے نہیں ہیں ان پر انہیں جزا و سزا دی جائے گی اور یہی عین جبر ہے ۔پھر انسان کے افعال دو قسم کے ہیں۔اچھے اور برے ان برے اافعال کو بھی اگر خدا کی مخلوق مانیں بقول اشاعرہ کے توخدا کی طرف ظلم کی نسبت لازم آتی ہے اور ظلم قبیح ہے اور وہ ہر قبیح سے منزہ و مبرہ ہے۔ پس خدا عادل ہے ۔وہ کیسے ایک انسان کو اس فعل پر اسے سزا دے سکتا ہے جو فعل اس نے انجام ہی نہیں دیا۔

پس یہ فکر طویل عرصہ تک علماء کے اذہان پر نقش رہی او ر وہ یہ نظریہ رکھتے تھے کہ اللہ کی سنت ہے کہ اس نے حرارت کو آگ کے بعد پیدافرمایا اور آگ کا اس میں ذرہ برابر بھی کردار نہیں ہے ۔

اشاعرہ کی بیان کردہ تفسیر مختلف جہات سے رد کی جا سکتی ہے ۔بعض جہات درج ذیل ہیں۔

قرآن کی صراحت:

قرآن کریم نے بڑی صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ بعض اشیاء دوسری بعض میں اثر انداز ہوتی ہیں قرآن مجید میں واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ نظام کائنات علل و معالیل پر مشتمل ہے مذکورہ ذیل آیت اس نظریہ پر بطور دلیل پیش کی جاسکتی ہے۔

۱)''وَفِی ٱلأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَىٰ بِمَآءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِی لأُكُلِ إِنَّ فِی ذَٰلِكَ لَـآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ''

'اور زمین میں باہم متصل ٹکڑے ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں ۔ نیز کھیتیاں اور کھجور کے درخت ہیں ۔ جن میں سے کچھ دوہرے تنے کے ہوتے ہیں اور کچھ دوہرے نہیں ہوتے۔سب کو ایک ہی پا نی سے سیراب کیا جاتا ہے لیکن پھلوں میں ہم بعض کو بعض سے بہتر بناتے ہیں ۔ان میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں" آیت مجیدہ میں مذکورہ جملہ "يُسْقَىٰ بِمَآءٍ وَاحِدٍ " اس بات پر بین دلیل ہے کہ درخت کی نشو و نما میں پانی کا اہم کردار ہے ۔

۲)'' وَأَنزَلَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ ٱلثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّكُمْ فَلاَ تَجْعَلُواْ لِلَّهِ أَندَاداً وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ'

ترجمۃ:اور آسمان سے پانی برسایاپھر اس سے تمہاری غذاکے لیے پھل پیدا کیے پس تم جانتے بوجھتے ہوئے کسی کو اللہ کا مقابل مت بناؤ"

نظریہ اشاعرہ پر دوسرا رد:

خدا وند عالم کی ذات نے انسان کو قدرت عطا فرما کر اسے فاعل مختار بنا یا ہے اور یہ قصد و ارادہ والی جہت اسے دوسرے فاعلوں سے ممتاز ونمایاں بنا دیتی ہے پس جب انسان میں قدرت و اختیار کا جو ہر موجود ہے تو پھر یہ قدرت کس چیز کے متعلق ہو گی ؟پس اس کے لیے ایک ایسا مقدور ماننا پڑے گا جسکے متعلق یہ قدرت ہو گی وگر نہ انسان میں اس قدرت کو ایجاد کرنا لغو شمار ہو گا ۔اس اشکال لغویت سے اس صور ت میں چھٹکارہ پایاجاسکتا ہے جب ہم کہیں کہ انسان اللہ کی عطا کردہ قدرت سے اپنے ارادے و اختیار کے ساتھ اعمال کو انجام دیتا ہے۔

ہر فاعل اپنے فعل کا مسؤول ہے:

تمام عقلاء اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ ہر انسان اپنے افعال واعمال کا ذمہ دار و مسؤول ہے اچھے اعمال کرنے والے کو ثواب اور برے اعمال کرنے والے کو سزا دی جائے گی ۔اور یہ بات اس وقت ہی متصور ہو سکتی ہے جب یہ تسلیم کیا جائے کہ انسان اپنے افعال واعمال میں کوئی عمل دخل رکھتا ہے اور قرآن نے بھی اس کی گواہی دی ہے۔" ان السمع والبصر و الفواد کل اولیک کان عنہ مسؤولا۔"

پس جب عقلاء کی عقل اورخالق اکبر کا کلام بڑی صراحت کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ انسان اپنے افعال واعمال کا ذمہ دار ہے تو یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ انسان کے اعمال خدا کی مخلوق ہو ں اور ان افعال کا اس کے ساتھ کو ئی تعلق ہی نہ ہو پھر مسؤول ہونے کا کیا معنی ہے جب ایک چیز کی نسبت ہی انسان کی طرف نہیں ہے بقول اشاعرہ کے تو پھر اس سے کیا سوال کیا جائے گا۔

جو اس نے انجا م نہیں دیے ان پر کیسے اسے عقاب و ثواب دیا جائے گا ۔ یہ نظریہ جبر ہے جو خدا کی عدالت کے ساتھ اصلا میل نہیں کھاتا ۔

لیکن پھر جب اشاعرہ پر اشکالات وارد ہوے تو نظریہ جبر سے جان چھڑانے کے لیے انہوں نے ایک اور نظریے کا سہارا لیا اور وہ نظریہ کسب ہے جسکو ہم آئندہ آنے والی قسط میں بیان کریں گے۔

لسماحة آیة الله العظمی المرجع الدینی الکبیر الشیخ بشیر حسین النجفی دام ظله الوارف

اللهم عجل لولیک الفرج

حقیقی انتظار اور ثقافتِ مہدویہ (عجل اللہ فرجہ)

غیبتِ کبریٰ کے دوران دینی طلبا، علما، مفکرین، مصنفین، مؤلفین، واعظین اور میدانِ خطابت میں یدِ طولیٰ رکھنے والوں پر بہت ساری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، یہ بات کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ آج کے اس موجودہ دور میں انسانیت اور خصوصاً اسلام اور مسلمانوں کی جو حالت ہم دیکھ رہے ہیں وہ اس وقت سے قطعاً بہتر اور مختلف نہیں ہے جس وقت غیبتِ کبریٰ رونما ہوئی تھی، آج بھی لوگ اسی طرح دنیا کی محبت میں غرق ہیں جیسے پہلے تھے، مفہومِ ایمان اُس دور کی طرح آج بھی روح کی گہرائیوں میں نہیں اتر پایا، آج بھی دین اُسی طرح فقط لوگوں کی زبان تک محدود ہے جیسے پہلے تھا، جس طرح پہلے تمام ممالک ظالموں اور جابروں کے زیرِ قبضہ تھے اسی طرح آج بھی ہیں، ظلم و جور اور اقرباء پروری عام ہے، وہ لوگ جو اپنے آپ کو مؤمن کہتے ہیں ان کے دل حقیقتِ ایمان سے خالی نظر آتے ہیں اور سوائے چند افراد کے تقریباً سارے ہی نفوس انتہائی رذیل برائیوں میں مبتلا ہیں جن برائیوں میں حسد اور بغض وغیرہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، بلکہ بعض برائیاں تو ایسی ہیں جو گناہان کبیرہ مثلاً غیبت، چغل خوری اور حب جاہ وغیرہ سے بھی بڑی ہیں، اور ان تمام برائیوں کی جڑ اور بنیاد فقط دنیاَ کی محبت ہے۔

پس ہمیں شاذو نادر ایسے لوگ مل پائیں گے جو حقیقی معنوں میں مؤمن اور دین سے مخلص ہیں، اور اسلام کی صحیح خدمت کررہے ہیں، اگر آپ کسی گروہ یا تنظیم وغیرہ کو کلمۂ حق کی ترویج و اشاعت کرتے دیکھتے ہیں تو قریب جانے پر اس کی حقیقتِ حال یوں آشکار ہوگی کہ آپ اس کے قریب ٹھہرنا بھی گوارہ نہیں کریں گے، اور اس سے یوں دور بھاگیں گے جیسے کوئی شیر، سانپ یا بچھو وغیرہ سے دور بھاگتا ہے۔

اسی بنا پر دینی طلباء اور علماء پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو واجب الٰہی (امر بالمعروف و نہی عن المنکر) اور اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے تیار کریں، اور ان پر واجب ہے کہ وہ انقلاب امام مہدی علیہ السلام کی ضرورت کے بیان اور اس کی تشریح و توضیح کے ذریعے ثقافتِ مہدویہ علیہ السلام کو استحکام بخشیں، جب لوگوں کو ہدایتِ مہدی علیہ السلام کے زیر سایہ دنیا میں رونما ہونے والے حالات و واقعات اور حقیقتِ مہدی علیہ السلام کے بارے میں بتایا جائے گا تو اس کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں امام علیہ السلام کے لیے اشتیاق پیدا ہوگا اور ان کا امام علیہ السلام سے تعلق زیادہ سے زیادہ گہرا ہوتا چلا جائے گا۔

جس طرح دینی طلباء اور علماء پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے اسی طرح مؤمنین میں سے ہر ایک پر واجب ہے کہ جس حدتک اس کے لیے ممکن ہو اور جتنی اس میں صلاحیت ہو انتظار کے حقیقی مفہوم کو فروغ اور استحکام دینے کی کوشش کرے اور جہاں تک ہوسکے لوگوں کو اس بات سے آگاہ کرے کہ انھیں زمانۂ غیبت میں کیا کرنا چاہیے اور کس چیز کا حصول و سعی اس وقت ان پر واجب ہے۔

اس طرح سے ہم تمام میدانِ عمل میں آجائیں گے، اور اس حوالے سے سستی، کاہلی اور ایک دوسرے پر ذمہ داری عائد کرنے سے بچ جائیں گے، اور برائیوں کی دعوت دینے والے نفسِ امارہ سے حقیقی معنوں میں نبرد

آزما رہیں گے، اور یہی وہ چیز ہے جس کے ذریعے نفوس اللہ تعالی کی عظیم نعمت یعنی ظہورِامام المنتظر عجل اللہ فرجہ الشریف کے استقبال کے لیے تیار ہوتے ہیں۔

جس طرح مشرق سے لے کر مغرب تک پوری دنیا میں انقلاب مہدی علیہ السلام برپا کرنے کے لیے راستہ ہموار کرنا واجب ہے اسی طرح ہم پر واجب ہے کہ پہلے اپنے اندر ایسی صلاحیت پیدا کریں کہ ہم نفسیاتی طور پر انتظار کے حقیقی مفہوم کو اپنا سکیں ، دوسری جانب باقی افراد کو اپنے دینی فرائض کی ادائیگی اور اجتماعی طور پر ان کے رائج کرنے کی ترغیب دیں ، اور جس حد تک ممکن ہو دینی شعائر کو فروغ اور رواج دیا جائے، مثلاً نماز جماعت وغیرہ ،اگر مسجد میں جانا مشکل ہوتو اھل و عیال کے ساتھ گھر میں نماز جماعت کا اہتمام کیا جائے، اور اسی طرح مشہور اور آسان معانی و تعبیرات پر مشتمل دعاؤں کے اجتماعی پروگرام منعقد کیے جائیں، تاکہ ان دعاؤں کی عام فہم تعبیرات اور ان کے معانی معمولی سی توجہ سے ہی دل اور روح کی گہرائیوں میں اترتے چلے جائیں، مثلاً وہ دعا پڑھی جائے جو حضرت امیرالمؤمنین علی ابن ابی طالب علیہماالسلام نے اپنے عابد و زاہد شاگرد حضرت کمیل بن زیاد کو تعلیم فرمائی، اسی طرح وہ دعا جس کی تلاوت حضرت سیدالشہداء امام حسین علیہ السلام نے عرفہ کے دن فرمائی تھی ، یا دعائے ندبہ کو اجتماعی طور پر پڑھنے کا اہتمام کیا جائے تاکہ ایک طرف تو اس کے ذریعے ہم اپنے وظیفہ اور ذمہ داری کو ادا کرسکیں اور دوسری طرف اس کے ذریعے لوگوں کو اپنی اور دوسروں کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا جاسکے، اور تیسری طرف اس انقلابِ مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کے لیے راہ ہموار کی جاسکے جس انقلاب کا ہر کوئی منتظر ہے۔

لیکن یہ کام انتہائی مشکل اور پُر تھکن ہے، اور اس کا راستہ بھی بہت طویل اور رکاوٹوں سے بھرا ہوا ہے اور یہ سب کچھ فقط اس وجہ سے ہے کہ ہم اس کام کے لیے درکار بنیادی چیزوں کو کھو چکے ہیں، سستی و کاہلی دینی طلباء کے نفوس میں گھر کرتی جارہی ہے، محنت سے فرار اور آرام پرستی سے پیدا ہونے والی سستی کے نتیجہ میں اب سطحی قسم کی تعلیم و تدریس کو ترجیح دی جاتی ہے۔یہ تو خیر بات تھی حوزہ میں موجودہ ماحول اور رجحانات کے بارے میں، لیکن ہمارے علماء (خدا ان کی مدد کرے) اصلاحِ نفوس کے حوالے سے بہت فکر مند اور میدانِ عمل میں کوشاں ہیں لیکن یہ مسئلہ ہمارے تصور سے بھی کہیں بڑا اور پیچیدہ ہے۔ اور جہاں تک بات ہمارے نوجوان طبقہ کی ہے وہ تو بس بے فکر ہواؤں میں سیر کرتا پھرتا ہے، نوجوان اپنی اس عجیب فکری نہج کے باوجود بھی اصلاحی پہلو کی طرف توجہ نہیں دے رہے ہیں، شاید وہ اس بارے میں علماء اور مجتہدین کی طرف سے کسی معجزہ کے منتظر ہیں ، نوجوانوں کی جب ہم یہ حالت دیکھتے ہیں تو ہمیں ان کے حال پہ رونا آتا ہے، پس ہمارے لیے واجب ہے کہ ان کے حال پہ رحم کرتے ہوئے ان کی طرف مکمل توجہ دیں۔

باقی رہے تعلیمی ادارے ، اسکول ، کالج اور یونیورسٹیاں وغیرہ تو ان کا ماحول دیکھنے کے بعد ان پہ تو بدرجہ اولیٰ آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے ، کیونکہ ان اداروں میں پڑھنے والے طلباء کا مقصد فقط ڈگری اور بعد میں کسی نوکری کا حصول ہوتا ہے ، بہت ہی کم ایسے طلاب ہوتے ہیں جو اس لیے پڑھتے ہیں تاکہ اپنی قوم کو مغرب کی غلامی سے آزاد کرایا جاسکے،شاذ ونادر ہی کوئی ایسا طالب علم ملتا ہے جو اسلامی ممالک اور ان سے وابستہ امور کی باگ ڈور واپس اپنے ہاتھوں میں لینے کے بارے میں سوچتا ہو یا تعلیمی میدان میں اس لیے محنت کرتا ہو تاکہ اپنی قوم کو خود کفالت کی منزل تک پہنچائے ۔

ناجانے کب ! وہ سورج طلوع ہوگا جو ظلمتوں سے بھری اس تاریک شب کا خاتمہ کر ڈالے اور مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلی ہوئی اسلامی دنیا کو اس عظیم مشکل ومصیبت سے نجات دلوادے۔

ناجانے کب! ہمارے نوجوان تمام علوم پر عبور حاصل کرنے کے لیے تعلیمی میدان میں سخت محنت کریں گے تاکہ اس کے ذریعے سے پوری دنیا پر قبضہ کیا جاسکے یا کم از کم اسلامی ممالک کو ہی متکبر اور خود غرض طاغوت کے چنگل سے نجات دلائی جاسکے۔

کیا یہ رونے کا مقام نہیں کہ ہم کو پتہ ہی نہیں ہے کہ ہم اپنے وسائل وذخائر کو کس طرح استعمال کریں ، اور کس طرح ان سے فائدہ حاصل کریں ۔

اس سے بڑھ کر بھی کوئی افسوس کی بات ہوسکتی ہے کہ ہم ہر قسم کی معدنیات ، تیل اور زرخیز زرعی زمینوں کے مالک ہیں لیکن ہمیں تیل نکالنے کا طریقہ تک نہیں آتا اور نہ ہم اس کے عناصر کو پہچان کر ایک دوسرے سے تمیز دے سکتے ہیں۔

کیا یہ شرم کی بات نہیں کہ ہمارے نوجوانوں میں سے اگر کوئی کمپیوٹر کے کی بورڈ پر ہاتھ چلانا سیکھ لے یا اسے انٹرنیٹ اور موبائل کے ذریعے کسی سے بات کرنا آجائے تو وہ اس پہ بہت فخر محسوس کرتا ہے، اور اسے ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ فخر کرنے کا اسے حق حاصل نہیں جو فقط یہ جانتا ہے کہ ٹیلی فون پہ کیسے بات کی جاتی ہے، بلکہ فخر کرنے کا حق تو اسے ہے جس نے اسے بنایا اور ایجاد کیا ہے اور اپنی اس ایجاد اور صناعت کے ذریعے پوری دنیا کو اپنا محتاج اور غلام بنا لیا ہے۔

یونیورسٹیوں کے طلباء اور مدرسین سے ہونے والی تمام ملاقاتوں کے دوران ہم نے یہ محسوس کیا ہے کہ وہ ان معانی اور مقاصد سے بہت دور ہیں ،بلکہ ان باتوں کے بارے میں انہوں کبھی سوچا بھی نہیں ہے، شاید وہ مراجع عظام اور مجتہدین کی طرف سے کسی ایسی کرامت کے انتظار میں ہیں کہ جو ناممکن کو پلک جھپکتے ہی ممکن بنا دے۔

اے میرے مؤمن بھائی! اس بات کو ذھن نشین کرلو کہ تم امام المنتظر علیہ السلام (ہماری جانیں ان پر قربان ہوں)کے جلد ظہور کی خواہش اور اشتیاق تو رکھتے ہو لیکن اگر تم کبھی اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو تو تمہیں علم ہو گا کہ تم دنیا کے طمع اور وقتی راحت و سکون کے حصول کی خاطر امام المنتظر عجل اللہ فرجہ کے ظہور کا انتظار کرتے ہو کیونکہ تم نے کہیں سے سن یا پڑھ رکھا ہے کہ امام الحجۃ (عجل اللہ فرجہ) کی حکومت کے زیر سایہ پوری زمین کو عدل الٰہی سے بھر دیا جائے گا۔

اے بندۂ مؤمن تم خواب غفلت میں ہو، تم بغیر کسی حرکت و کوشش کے راحت و سکون کے وسائل حاصل کرنا چاہتے ہو،لیکن زمانۂ ظہور میں قطعاًایسا نہ ہوگا بلکہ حضرت امام الحجۃ (عجل اللہ فرجہ) اپنے جدِ امجد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ہم سے جُہد ، عمل اور سعی کا مطالبہ کریں گے۔

اے مؤمن یاد رکھو کہ جو اپنے نفس کی اصلاح نہیں کرتا عدل اس پر بہت گراں گزرتا ہے، پس ہم پر واجب ہے کہ سب سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کریں اور پھر دعا میں غور وفکر اور پوری دنیا میں عدل و انصاف پھیلانے کی کوشش کریں۔

علم غیب (حصہ پنجم)

شیخ ناصر عباس نجفی

۲: گر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ چند روایات قطعی ہیں تو وہ روایات جو غیر خدا سے علم غیب کی نفی کرتی ہیں اور وہ روایات جو غیر خدا کیلئے علم غیب کو ثابت کرتی ہیں ان میں کسی قسم کا ٹکراؤ نہیں ہے کیونکہ پہلی قسم کی روایات زیادہ سے زیادہ یہ کہہ رہی ہیں کہ اہل بیتؑ کا علم غیب ذاتی اور مستقل نہیں ہے۔اور یہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا علم ذاتی اور مستقل نہیں ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے پاس اصلا علم غیب ہے ہی نہیں اگرچہ ان کے پاس ذاتی اور مستقل علم نہیں لیکن خدا کی طرف سے تعلیم شدہ علم غیب ضرور ہے۔اور علامہ مجلسیؒ نے اس بات کی تائید کی ہے کہ نبیؐ اور آئمہ معصومینؑ میں غلو اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ کہے کہ وہ خدا ہے یا خدا کی معبودیت میں شریک ہیں یا یہ دعویٰ کرے کہ آئمہ معصومینؑ خدا کی طرف سے وحی اور الہام کے بغیر غیب کا علم رکھتے ہیں۔(بحارالانوار،ج۲۵، ص۲۹۳)

اور جن لوگوں نے اس قسم کا دعویٰ کیا ہے معصومینؑ نے ان کی مذمت کی ہے جیسا کہ امام زمان عجل اللہ فرجہ الشریف نے اپنی ایک توقیع میں محمد بن علی بن ھلال الکرخي کو لکھا ملاحظہ ہو (الاحتجاج،ج۲، ص۲۸۸)

اور علامہ مجلسی نے اس توقیع کے ذیل میں کہا ہے " معصومینؑ سے جس نے علم غیب کی نفی کی ہے وہ یہ ہے کہ اہل بیتؑ الہام کے بغیر نہیں جانتے ،اور علم غیب جو انہیں وحی اور الہام کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اس علم کی معصومینؑ سے نفی کرنا ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ انبیاءؑ اور اوصیاءؑ کے بہترین معجزے غیب کے متعلق خبریں دیتے ہیں" (بحارالانوار ج۲۵، ص۲۶۸)

۳: اگر ان روایات میں غور و فکر کیا جائے تو ایک بہترین معنی سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ اہل بیتؑ کی خدا کیلئے عبودیت اور بندگی نے کتنا ادب اور احترام پایا جاتا تھا کہ وہ ان صفات کے ساتھ متصف ہوتے ہوئے بھی یہ قبول نہیں کرتے کہ ہمیں ان ناموں کے پکارا جائے جو خدا کے ساتھ خاص ہیں ۔اس معنی کی وضاحت کیلئے ایک تمہید پیش خدمت ہے۔

تمہید: خدا وند عالم کی صفات دو طرح کی ہیں۔

۱: وہ صفات جن کے ساتھ قرآن نے اشارہ کیا ہے جیسے 'مکر'' ومکروا ومکراللہ واللہ خیر الماکرین'' (سورہ آل عمران ۵۴) ان لوگوں نے (عیسیٰؑ کے قتل) کی تدبیریں سوچیں اور اللہ نے بھی (جوابی)تدبیر فرمائی اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے ۔

اس صفت کی طرف اگرچہ قرآن نے اشارہ کیا ہے لیکن اس کے باوجود جس طرح خدا کو عالم ،رازق ، قادر و خالق کہتے ہیں اس طرح ماکر نہیں کہہ سکتے کیونکہ ماکر کا لفظ سن کر انسان کا ذہن اسطرف پھر جاتا ہے کہ اس موصوف میں کوئی نقص اور احتیاج ہے۔

۲: وہ صفات جن کے اندر ربوبیت اوراستقلالیت کا معنی پوشیدہ ہے جن کو عام ذہن سن کر یہ کہہ دے کہ یہ صفات تو اللہ کے ساتھ مختص ہیں جیسے خالق و رازق ،زندہ کرنے والا، موت دینے والا۔اگر چہ ممکن ہے کہ اللہ کے اذن وارادے کے ساتھ غیر خدا بھی ان صفات سے متصف ہو سکتا ہے جیسے خدا نے خود فرمایا: فتبارک اللہ احسن الخالقین (المؤمنون ۱۴)

پس بابرکت ہے وہ اللہ جو سب سے بہترین خالق ہے ۔

واللہ خیرالرازقین ''(الجمعۃ۔۱۱)'' قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم '' (السجدۃ۔۱۱)

کہہ دیجئے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روحیں قبض کرتا ہے۔
پس ممکن ہے کہ غیر خدا ان صفات کے ساتھ موصوف ہوسکے لیکن غیر خدا کو ان اسماء کے ساتھ نہیں پکارا جاسکتا جو اللہ کے ساتھ مختص ہیں اور اس کی وجہ یہ کہ ان ناموں کو سن کر انسان کا ذہن الوھیت اور ربوبیت کی طرف پھر جاتا ہے پس اہل بیتؑ کاخدا کی بندگی میں ادب و احترام یہ ہے کہ انہیں ان ناموں کے ساتھ نہ پکا را جائے جو خداکے ساتھ مخصوص ہیں اگر چہ خدا کی عطا اور فیض سے ان میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔
اس تمہید کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ (عالم الغیب)خدا کے مخصوص ناموں میں سے ہے ۔عبودیت میں ادب اور احترام یہ ہے کہ غیر خدا کو عالم الغیب نہ کہا جائے ۔اگرچہ اسکو اللہ نے اپنے ارادے سے علم غیب کے ساتھ نوازا ہی کیوں نہ ہو اس معنی کو ہم واضح انداز میں روایات سے سمجھتے ہیں کہ معصومینؑ اپنے لئے یہ پسند نہیں فرماتے کہ کوئی انہیں ان ناموں سے پکارے جو خدا کے نا م ہیں جیسے خالق ، رازق۔کیونکہ بندے کی بندگی اس میں ہے کہ وہ خدا کے ناموں کے ساتھ کسی کو نہ پکارے اس وجہ سے قرآن کریم نے رسول اکرمؐ جیسی ہستی کوعالم الغیب نہیں کہا بلکہ عبودیت ،رسالت اور نبوت جیسی صفات سے پکا را ہے ۔پس خلاصہ جواب یہ ہو ا کہ جن روایات میں علم غیب کی نفی ہے وہ اس معنی کو بیان کررہی ہیں ۔

پانچواں نکتہ :
گذشتہ بحث میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اہل بیت علیہم السلام گذشتہ زمانے ، موجودہ زمانے اور قیامت تک آنے والے واقعات کا علم رکھتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنی موت کی جگہ اور وقت کا بھی علم ہے جیسا کہ ابوبصیر نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہوئے کہا :قال الصادق علیہ السلام: ایّ امام لا یعلم ما یصیبہ و الی ما یصیر فلیس ذالک بحجۃ اللہ علی خلقہ
وہ امام جو یہ نہیں جانتا کہ مستقبل میں اس کے ساتھ کیا ہوگا اور اس کا انجام کیا ہوگا تو ایسا امام مخلوق پر اللہ کی حجت نہیں ہے۔(اصول کافی ج ۲ ، ص ۲۵۸۔ کتاب الحجۃ)
لیکن اگر اہل بیت علیہم السلام کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو ان کی پوری زندگی ایسے نظر آتی ہے جیسے عام انسانوں کی زندگی ہو جو اپنے مستقبل کی کوئی خبر نہیں رکھتے اور یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ انہیں اپنی زندگی میں بہت زیادہ مصائب اور دکھوں کا بھی سامنا کرنا پڑا اگر انہیں غیب کا علم ہے اور یہ معلوم ہے کہ مستقبل میں ہمارے اوپر یہ مصیبت رونما ہونے والی ہے تو پھر ایسے راستے کو کیوں اختیار کیا جو دکھوں اور تکلیفوں سے پر تھا ، کیونکہ قانون عقل یہ ہے کہ انسان ایسے راستے کو اختیار نہیں کرتا جس کے بارے میں اسے علم ہو کہ مجھے اس راستے میں خطرہ ہے اور ایسے راستے کو کبھی نہیں چھوڑتا جس میں اسے نجات کا یقین ہو۔
علم غیب تو انسان کو بھلائی کی ہدایت کرتا ہے اور برائی سے نجات دیتا ہے اور یہ عادت انسانی کے خلاف ہے کہ انسان کو نیکی اور برائی کے راستوں کا علم بھی ہو اور پھر انہیں اختیار نہ کرے اور اس معنی کے اوپر بہت زیادہ شواہد ہیں جن کو ہم نے پہلی بحث میں ذکر کیا ہے مثال کے طور پر امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ میری شہادت کربلا میں ہوگی لیکن پھر بھی زمین کربلا کا رخ کیا کیوں؟ اور اسی طرح باقی معصومین علیہم السلام کو جب زہر دی گئی تو جانتے تھے کہ ان انگوروں یا کھجوروں میں زہر ہے پھر کیوں تناول کیا ؟ کیا یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والی بات نہیں ہے ؟
جبکہ قرآن نے اس سے صراحتا منع کیا ہے : و لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ ۔ (البقرۃ۔ ۱۹۵)
اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو
جو اب :اس سوال کے ہم دو جواب پیش کرتے ہیں۔
۱:اس دنیا میں رونما ہونے والے حوادث اور واقعات میں علم غیب مؤثر نہیں ہے یعنی یہ دنیا جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اس کا نظام سبب و مسبّب کے نظام پر چل رہا ہے ۔اس جواب کی وضاحت کے لئے چند امور کا بیان انتہائی ضروری ہے ۔
۱:خدا وند عالم کائنات میں موجود ہر چیز کا خالق ہے اور ان اشیاء کو خلق کرنے سے پہلے ہی وہ ان اشیاء کا عالم ہے اور وہ چیزیں جو ابھی اس کائنات میں رونما نہیں ہوئی ہیں خدا ان کا عالم ہے ، پس زمین و آسمان میں کوئی ایسا ذرہ نہیں جس کی خلقت سے پہلے خدا اس کا عالم نہ ہو اور یہ معنی صراحتا روایات میں موجود ہے جیسے ابن حازم نے امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ کیا یہ ہو سکتا ہے آج ایک چیز رونما ہو اور گذشتہ کل میں خدا کو اس کا علم نہ ہو ۔
قال لا من قال ھذا فاخذہ اللہ فرمایا: نہیں جس نے ایسا خیال کیا خدا اسے ذلیل و رسوا کرئے گا "ابن حازم کہتا ہے میں نے کہا کیا گذشتہ اور قیامت تک آنے والے واقعات خدا کے علم میں نہیں ہیں ۔
قال بلی قبل ان یخلق الخلق
فرمایا ہاں مخلوق کی پیدائش سے پہلے وہ ان تمام چیزوں کو جانتا تھا (بحار الانوار ، ج ۴ ، ص۸۹)
۲:ذات احدیت کو ازل سے اس کا علم ہے کہ حضرت انسان دنیا میں جا کر بھلائی کو اختیار کرے گا یا برائی کو اختیار کرے گا لیکن خداوند عالم نے ثواب و عقاب کا نظام اپنے اس ازلی علم کی بنیاد پر نہیں رکھا ہے بلکہ ثواب و عقاب کا نظام اس قانون پر ہے کہ جب انسان اس دنیا میں آکر برائی یا بھلائی کے افعال کو انجام دے گا خدا ایسا نہیں کرتا کہ اسے ازل سے معلوم ہے یہ بندہ برائی کرے گا لہٰذا اس کے نامہ اعمال میں عقاب لکھ دے یہ بندہ نیکی کرے گا لہٰذا اس کے نامہ اعمال میں ثواب لکھ دے۔اور قرآنی آیات اور روایات نے اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ دنیا آزمائش و امتحان کا گھر ہے اور خدا آزمائش و امتحان میں مبتلا کرکے اچھے اور برئے کی تمیز حاصل کرتا ہے اور علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ نے اس لطیف معنی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بندے کو امتحان اور آزمائش میں مبتلا کرکے جو خدا کو علم حاصل ہوتا ہے اس سے مراد بندے کی حالت کا ظاہر ہو نا ہے اور خدا کا یہ علم " علم فعلی " ہے ۔جو اس کی ذات سے خارج ہے اور علم " فعلی " علم ذاتی کے مقابلے میں ہے جو عین ذات ہے دوسرے لفظوں میں یہ کہوں ثواب و عقاب کا نظام خدا کے علم ذاتی پر مبنی نہیں ہے بلکہ ثواب و عقاب کا نظام خدا کے علم فعلی پر مبنی ہے ۔ (المیزان فی تفسیر القرآن ج۱۸ ، ص ۲۴۳)

امام حسین علیہ السلام کی عظمت اصحاب کی زبانی

شیخ شہباز حسین مہرانی

ماہ شعبان المعظم کی تین تاریخ کو یہ افتخار حاصل ہے کہ اس دن نور حسین علیہ السلام نے کائنات کو منور کیا ۔ امام حسین علیہ السلام کی فضیلت اور عظمت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ علیہ السلام فرزند رسول اللہ ﷺ انبیاء کے وارث ، حجت خدا، سید الشھداء ، اللہ کے ولی ، ابو الآئمہ (۹اماموں کے والد)رب العالمین کی حکمت کا باب، ہدایت کا چراغ ، نجات کی کشتی ، دین خدا کے ناصر و مددگار ، کتب سماوی کے وارث ، خدا کی زمین پر خدا کے امین اور مظہر عزت نفس اور آیت تطہیر ، آیت مودت اور آیت مباہلہ میں ابنائنا کے مصداق ہیں۔

ہم اس مقالے میں چند اصحاب کے اقول کا ذکر کریں گے کہ وہ امام حسین علیہ السلام کے بارے میں کیا رائے رکھتے اور آپ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے تھے ۔ امام حسین علیہ السلام نے رسالت مآب ﷺ کے ساتھ زندگی کے سات سال بسر کئے اس عرصے میں اصحاب نے وماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی کے مصداق رسول اللہ ﷺ کو مختلف مقامات پر مختلف الفاظ میں امام حسین علیہ السلام کی عظمت و فضیلت کو بیان کرتے ہوئے سنا ۔

نمونے کے طور پر دو روایات کو یہاں پر ذکر کرتے ہیں:

رسالتمآب ﷺ نے امام حسین علیہ السلام کو اپنی جان قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :

حسین منی وانا من الحسین ۔(سنن ابن ماجہ ج۱ص۵۱)

حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں ۔

اور اسی طرح امام حسن و امام حسین علیھما السلام کو منصبِ امامت عطا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

الحسن و الحسین امامان قاما او قعدا (عوالي اللآلي ج ٤ ص٣٥)

(میرے شہزادے) حسن و حسین علیھما السلام امام ہیں چاہے جنگ کریں یا صلح کریں ۔

رسول خدا ﷺ نے نہ صرف اپنی زبان مبارک سے نہ صرف آپ علیہ السلام کے فضائل کو بیان کیا بلکہ اپنی عملی زندگی میں بھی ایسے کام انجام دئے جو واضح دلالت کرتے ہیں کہ اس کائنات میں سب سے زیادہ محبت حسین علیہ السلام پاک پیغمبر ﷺ کے قلبِ مبارک میں تھی جس کا واضح نمونہ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ رسولِ خدا ﷺ کے شانہ مبارک امام حسین علیہ السلام کی سواری تھی اور آپ ﷺ کے زلف نازنین حسین علیہ السلام کی سواری کے لگام تھے ۔

اسی طرح ابو ہریرہ کہتے ہیں :

رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ يَمْتَصُّ لِعابَ الْحُسَيْنِ كَما يَمْتَصُّ

الرَّجُلُ التَّمْرَۃَ (اسعاف الراغبین، ص ۱۸۲)
کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو امام حسین علیہ السلام کے لعاب دہن کو چوستے دیکھا کہ جس طرح مرد کھجور کو چوستا ہے۔
اصحاب میں سے سب سے پہلے حضرت عمر کے قول کے نقل کرتے ہیں کہ جس روایت صاحب کتاب الاصابۃ نے صحیح السند قرار دیا ہے:
قال عمر ابن خطاب للحسین علیہ السلام انما انبت ما تری فی رؤوسنا اللہ ثم انتم
(الاصابۃ ج ۱ ص ۳۳۳)
حضرت عمر نے امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمار سروں پر (نعمتیں) اگتی ہیں وہ صرف اور صرف اللہ تعالی اور اس کے بعد امام حسین علیہ السلام کی وجہ سے ہیں۔
اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ جو نعمتیں اللہ تعالی کی طرف سے ہمیں عطا ہوتی ہیں ان کے عطا ہونے کا سبب، ذریعہ اور وسیلہ صرف و صرف رسول خدا ﷺ علی مرتضی علیہ السلام اور بی بی فاطمہ سلام اللہ علیھا کے فرزند امام حسین علیہ السلام کی ذات بابرکت ہیں۔
بے شک اہلبیت علیہم السلام وہ عظیم ہستی ہیں کہ جو خالق کائنات اور اس کی مخلوق کے درمیان بہترین وسیلہ اور ذریعہ ہیں اور انہی عظیم ہستیوں کی وجہ سے انسان اللہ تعالی کا قرب حاصل کرتا ہے۔
اسی طرح حضرت عثمان امام حسن اور امام حسین علیہ السلام کی فضیلت و عظمت میں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ
فطموا العلم فطماو حاوزو ا الخیر والحکمۃ (الخصال ص ۱۳۶)
ان ہستیوں (امام حسن اور امام حسین علیہما السلام) سے علم کے (چشمے) نکلتے ہیں جس طرح نکلنے کا حق اور انہی ہستیوں سے بھلائی اور حکمت لے لو۔
یقینا امام حسین علیہ السلام اپنے نانا، باپ، ماں اور بھائی کی طرح علم لدنی کے مالک تھے اور ان پاک و پاکیزہ ہستیوں کی زبان مبارک سے علم کے چشمے جاری ہوتے تھے اور اصحاب اسی وجہ سے ان عظیم ہستیوں کی تعظیم اور تکریم کرتے تھے اور انہی سے علم و حکمت حاصل کرتے تھے کیونکہ اس کائنات میں فقط اہلبیت اطہار علیہم السلام کی ہستیاں ہیں جنہیں اللہ تعالی نے اپنی مشیت و ارادہ سے ہر طرح سے رجس، نقص، عیب، خطا اور انحراف سے دور رکھا ہے اور ان انوار طاہرہ کو ہمیشہ کے لئے پاک و پاکیزہ اور خالص قرار دیا ہے اور تمام کمالات عطا کئے ہیں نتیجہ میں ہر وہ شخص جس کی فطرت سلیم ہے وہ انہی عظیم ہستیوں سے علم و حکمت اور بھلائی حاصل کرے گا۔
اصحاب امام حسین علیہ السلام کا اس طرح احترام کرتے تھے جس طرح رسالتمآب ﷺ کا کیا کرتے تھے اور جس طرح پاک پیغمبر ﷺ کو عزت و مقام دیتے تھے وہی عزت و مقام سید الشداء امام حسین علیہ السلام کو بھی دیتے تھے اور جس طرح رسول خدا ﷺ کو اپنے لئے مکمل اسوۃ حسنہ اور نمونہ عمل سمجھتے تھے اسی طرح آپ علیہ السلام کو بھی مکمل نمونہ عمل اور اسوہ حسنہ جانتے تھے چونکہ وہ تمام صفات کمال جو پاک پیغمبر ﷺ میں موجود تھیں وہی صفات کمال امام حسین علیہ السلام میں پائی جاتی تھیں اسی بات پر شاہد اور گواہ وہ روایت ہے کہ جس میں آیا ہے کہ عبد اللہ ابن عباس (جلیل القدر صحابی رسول، مفسر قرآن اور جس کو حبر الامۃ کا لقب دیا گیا) امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی خدمت کیا کرتے تھے اور اسی میں اپنی عزت و شرف محسوس کیا کرتے تھے روایت کے الفاظ یہ ہیں:
اخذ عبد اللہ ابن عباس برکابھما الحسن و الحسین علیھما السلام فعوتب فی ذلک و قیل لہ انت اسن منھما فقال ان ھذین ابنا رسول اللہ ﷺ افلیس من سعادتی ان آخذ برکابھما
(تاریخ ابن عساکر ج ٤ ص ۳۱۲)
عبد اللہ ابن عباس امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی سواری کی رکابوں کو تھامے ہوئے تھے اور کسی نے اس کام پر سرزنش کر دی اور کہنے والے نے کہا (ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ مدرک بن زیاد اور ابن عمارہ تھے) کہ آپ تو ان دونوں سے عمر میں بڑے ہیں تو ان کے جواب میں ابن عباس نے کہا کہ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے فرزند ہیں کیا یہ میرے لئے سعادت نہیں ہے کہ میں ان کی سواری کی رکابوں کو تھامے رکھوں (تاکہ یہ شہزادے سوار ہوں)
ابن عباس صحابی رسول اللہ ﷺ کا یہ جملہ کہ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے فرزند ہیں یہ بہت معنی خیز جملہ ہے چونکہ ابن عباس مفسر قرآن تھے اور یقینا اپنی زندگی میں متعدد بار آیت مباہلہ کی دعوت کی ہوگی کہ جس میں ارشاد باری تعالی ہے:
فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ (سورہ آل عمران آیت ٦١)
تو آپ کہہ دیں آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ نتیجہ میں ابن عباس نے یہ جملہ نہ کسی رشتہ داری اور نہ کسی ظاہری محبت کی بناء پر کہا بلکہ جو کچھ آیات الہی اور رسول خدا ﷺ سے سنا تھا اسی بناء پر حسنین علیہما السلام کو فرزند رسول اللہ ﷺ کہا۔
اور اسی طرح روایت میں ملتا ہے کہ کسی جگہ پر امام حسین علیہ السلام اور ابو ہریرہ نماز جنازہ کے لئے گئے ہوئے تھے تو ابو ہریرہ راستے میں بیٹھ گئے تو جب امام حسین علیہ السلام آئے تو ابو ہریرہ نے امام حسین علیہ السلام کے قدموں کی مٹی کو اپنے کپڑے کے کونے سے اٹھایا تو امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ:
یا ابا ہریرہ وانت تفعل ھذا؟
اے ابو ہریرہ! تم یہ کام انجام دے رہے ہو؟ تو ابو ہریرہ نے کہا کہ:
دعنی فواللہ لو یعلم الناس منک ما اعلم لجعلوک علی رقابھم
مجھے چھوڑ دیجیے خدا کی قسم جس طرح میں آپ کی معرفت رکھتا ہوں اگر لوگ اسی طرح آپ کی معرفت رکھتے تو آپ کو کندھوں پر اٹھا لیتے۔(الخصال ص۱۳۶)
امام حسین علیہ السلام کی عظمت، فضیلت، عزت اور شرافت کو صرف اصحاب نے بیان نہیں کیا بلکہ اصحاب سے لے کر تابعین، تبع تابعین اور ہر دور کے باضمیر انسان نے امام حسین علیہ السلام کی فضیلت و عظمت کو بیان کیا ہے کیونکہ امام حسین علیہ السلام کی شخصیت اس کائنات میں بے مثال اور بے نظیر ہے چاہے وہ زندگی کے کسی بھی شعبے میں ہو، شجاعت، عبادت الہی، تقوی، جود و کرم، تواضع، کسی کو نصیحت کرنا کوئی بھی شعبہ ہو آپ علیہ السلام اپنی مثال آپ ہیں اسی وجہ سے امام علیہ السلام صرف مسلمانوں مذہب تشیع کے رہبر پیشوا اور امام نہیں ہیں بلکہ ہر باضمیر انسان کے رہبر اور رہنما ہیں اور ان کے دلوں پر حکومت آپ علیہ السلام کی ہے چاہے وہ کسی بھی فرقے یا مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔

سماحۃ آیۃ اللہ العظمیٰ المرجع الدینی الکبیر الشیخ بشیر حسین النجفی دام ظلہ الوارف

ولادتِ امام مہدی علیہ السلام اور تواتر کا دعویٰ

تحقیق کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی مسئلہ یا قضیہ میں چھان بین اور تحقیق کے دوران اپنے ذھن کو منفی رجحانات مثلاً بغض، حسد اور نفاق وغیرہ سے پاک رکھے، جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اہل سنت میں سے جتنے بھی افراد نے امام مہدی علیہ السلام کے عدمِ ولادت کا دعویٰ کیا ہے ان میں سے کوئی بھی اس میزان و معیار پر پورا نہیں اترتا، بلکہ ان سب سے اولادِ علی علیہ السلام و بتول علیھا السلام کے ساتھ بغض و حسد اور تعصب کی بو آتی ہے، پس وہ حضرت امام المنتظر علیہ السلام کے قضیہ کو غیر جانبدارانہ نظر سے نہیں دیکھتے اور جب ان کا دل بغض و نفاق وغیرہ سے خالی نہیں ہوگا تو اس کا نتیجہ وہی کچھ نکلے گا جو ان کے جھوٹے دعووں میں نظر آرہا ہے۔

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ جس خبر کے بارے میں تواتر کا دعویٰ کیا جاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

۱:۔ پہلی قسم کا تعلق اس خبر کے ساتھ ہے جس میں تواتر کے ذریعے کسی شے کے وجود کو ثابت کیا جاتا ہے۔

۲:۔ دوسری قسم کا تعلق اس خبر کے ساتھ ہے جس میں تواتر کے ذریعے کسی شے کے عدم کو ثابت کیا جاتا ہے۔

اور یہ بات واضح ہے اور اس میں کسی قسم کا شک وغیرہ بھی نہیں ہے کہ اگرچہ کسی شے کے عدمِ وجدان (یعنی کسی شے کے نہ ہونے) پہ تواتر ثابت ہو یا ان اخبار کی سند صحیح ہو تب بھی دوسری قسم اکثر ثابت نہیں ہو پاتی، پس جس شے کے عدمِ وجود پر تواتر کا دعویٰ کیا جارہا ہے اگر اس شے کا وجود کسی طرح سے ثابت ہو جائے خواہ کسی معتبر خبرِ واحد کے ذریعے سے ہی کیوں نہ ہو، تو ان دونوں خبروں کے درمیان کسی قسم کا تصادم تصور نہیں کیا جائے گا، جن میں سے ایک تواتر کے ذریعے اس شے کے عدمِ وجود یا عدمِ وجدان پر دلالت کرتی ہے اور دوسری اس شے کے وجود کو ثابت کرتی ہے، پس علمائے اہلسنت سے روایات کی ایک بہت بڑی تعداد نقل ہوئی ہے جس کا مفہوم فقط یہ ہے کہ (لم یجد للحسن العسکری علیہ السلام عقباً) یعنی تمام روایات میں فقط یہی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد کا نشان نہیں ملتا اور اس بات سے سوائے اس کے کچھ ثابت نہیں ہو سکتا کہ ان کو امام مہدی علیہ السلام کے وجود کا علم نہ تھا اور ان روایات میں

سے کسی کا بھی سلسلہ امام عسکری علیہ السلام یا حضرت امام المنتظر علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سے نہیں ملتا ، اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کا عدمِ وجود ان کے والدین کے اعتراف سے ہی ثابت ہو سکتا ہے، پس ایک طرف تو اسی بناء پر اہلسنت کی طرف سے تواتر کا دعویٰ چاہے صحیح بھی ہو تب بھی اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ میدانِ بحث میں امام علیہ السلام کے وجود پر قائم شدہ دلیلوں کا غالب آنا لازم ہے۔

دوسری جانب تواتر کے ذریعے امام مہدی علیہ السلام کی ولادت ثابت ہے اور روایات میں ان افراد کی ایک بڑی تعداد کا ذکر بھی موجود ہے جنہوں نے بچپنے سے لے کر غیبتِ صغریٰ کی انتہا تک مختلف مواقع پہ امام علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور اس غیبتِ صغریٰ کی انتہا ان چار نائبین میں سے آخری کی وفات پہ ہوئی جو امام علیہ السلام کی طرف سے نامزد کردہ سفیر تھے اور امام علیہ السلام اور ان کے شیعوں کے درمیان واسطہ تھے۔

اور اس سے بھی بڑھ کر بہت سے ایسے علمائے اہلسنت ہیں جنہوں نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی ولادت کا اقرار و اعتراف کیا ہے، ان میں سے چند کے اسماء درج ذیل ہیں:

۱:۔ ابن حجر الہیثمی کتاب ''الصواعق المحرقہ'' میں اہلِ اطلاع سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے :

ان عمر الامام المنتظر عند وفاة ابیه خمس سنین لکن اتاه الله فیها الحکمة

ترجمہ: ''حضرت امام المنتظر علیہ السلام کی عمر ان کے والد کی وفات کے وقت پانچ سال تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عمر میں ہی علم و حکمت سے سرفراز کیا"

۲:۔ ابن خلکان کتاب ''وفیات الاعیان'' میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی سیرت و تعارف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

ابو محمد حسن بن علی بن محمد بن علی بن موسی الرضا بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنهم احد آئمة الاثنا عشر علی اعتقاد الامامیة و هو والد المنتظر صاحب السرداب و یعرف بالعسکری و ابوه علی ایضاً یعرف بهذه التسمیة

ترجمہ: ''ابو محمد حسن بن علی بن محمد بن علی بن موسی الرضابن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنھم شیعہ امامیہ کے اعتقاد کے مطابق بارہ اماموں میں سے ایک امام ہیں اور یہی حضرت امام المنتظر علیہ السلام صاحب سرداب کے والد ہیں اور عسکری کے نام سے معروف ہیں اور ان کے والد حضرت علی نقی علیہ السلام بھی اسی نام سے معروف تھے"

۳:۔ کتاب ''منتخب الاثر'' میں مذکور ہے

:ذکر ابن شحتة الحنفی فی تاریخه المسمیٰ بروضة المناظر فی اخبار الاوائل ، و ولد لهذا الحسن یعنی الحسن العسکری ولده المنتظر الثانی عشر و یقال له المهدی و القائم و الحجة محمد ولد فی سنة خمس و خمسین و مائتین..... و کان عمره عند وفاة ابیه خمس سنین"

ترجمہ: ''ابن شحتہ الحنفی اپنی تاریخ کہ جس کا نام ''روضۃ المناظر فی اخبار الاوائل'' ہے، میں رقمطراز ہے اسی حسن یعنی حسن عسکری علیہ السلام کے ہی بیٹے المنتظر علیہ السلام ہیں جو کہ بارہویں امام ہیں، انہیں المھدی علیہ السلام القائم علیہ السلام اور الحجۃ علیہ السلام کہا جاتا ہے، م۔ح۔م۔د (مہدی علیہ السلام) ۲۵۵ ھجری میں پیدا ہوئے ..... ان کے والد (حسن عسکری علیہ السلام) کی وفات کے وقت ان کی عمر پانچ سال تھی"

۴:۔ ابن الصباغ المالکی کتاب ''الفصول المہمۃ'' میں لکھتا ہے :

ولد ابو القاسم محمد الحجة ابن الحسن الخالص بسر من رای فی لیلة النصف من شعبان سنة خمس و خمسین و مائتین للهجرة ثم ساق نسبه الشریف من جهة ابیه الیٰ سید الشهداء الحسین بن علی بن ابی طالب علیهم السلام و أما امه فأم ولد یقال لها نرجس خیر امة و قیل اسمها غیر ذلک و اماکنیته فابوالقاسم و اما لقبه فالحجة والمهدی و الخلف الصالح والقائم المنتظر و الصاحب الزمان و اشهرها المهدی"

ترجمہ: ''ابو القاسم ''م۔ح۔م۔د'' الحجۃ ابن حسن الخالص علیہما السلام سر من رای یعنی سامرہ میں پندرہ شعبان کی رات ۲۵۵ ھجری کو پیدا ہوئے۔ ان کا نسب مبارک والد کی طرف سے حضرت سید الشہداء امام حسین ابن علی ابن ابی طالب علیہم السلام سے ملتا ہے ۔ ان کی والدہ ام ولد ہیں، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ نرجس سب سے افضل اور نیک کنیز ہیں اور ایک قول کے مطابق ان کا اس (نرجس) کے علاوہ بھی کوئی نام ہے اور امام علیہ السلام کی کنیت ابو القاسم ہے اور ان کے القاب '' الحجۃ علیہ السلام ، مہدی علیہ السلام ، خلف الصالح علیہ السلام ، القائم، المنتظر علیہ السلام اور صاحب الزمان علیہ السلام '' ہیں، اور ان میں سے جو لقب مشہور ہے وہ المہدی ہے"

۵:۔ محدث نوری اپنی کتاب'' کشف الاستار عن وجہ الغائب عن الابصار '' میں لکھتے ہیں کہ ابی سالم کمال الدین محمد بن طلحہ بن محمد الشافعی اپنی کتاب مطالب السئول میں رقمطراز ہیں:

ابوالقاسم محمد بن الحسن الخالص بن علی المتوکل بن محمد القانع بن علی الرضا بن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین بن علی المرتضی امیر المومنین بن ابی طالب المهدی الحجة الصالح المنتظر علیهم السلام

ترجمہ: ''ابوالقاسم محمد بن الحسن الخالص بن علی المتوکل بن محمد القانع بن علی الرضا بن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین بن علی المرتضی امیر المومنین بن ابی طالب'' ہی مہدی الحجۃ الصالح اور المنتظر ہیں"

۶:۔ اسی طرح ''کشف الاستار'' میں حافظ ابوالفتح محمد ابن ابی الفوارس الشافعی اور اس کے علاوہ دوسرے افراد سے منقول اہلسنت کے تیس (۳۰) سے زیادہ اکابر علماء اور محققین کے اقوال درج ہیں، جن میں وہ حضرت امام المنتظر علیہ السلام کی ولادت کا اقرار کرتے ہیں۔

پس ان اقوال کے ہوتے ہوئے حضرت امام المنتظرعلیہ السلام کی ولادت اور ان کے وجود مبارک میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہتی۔

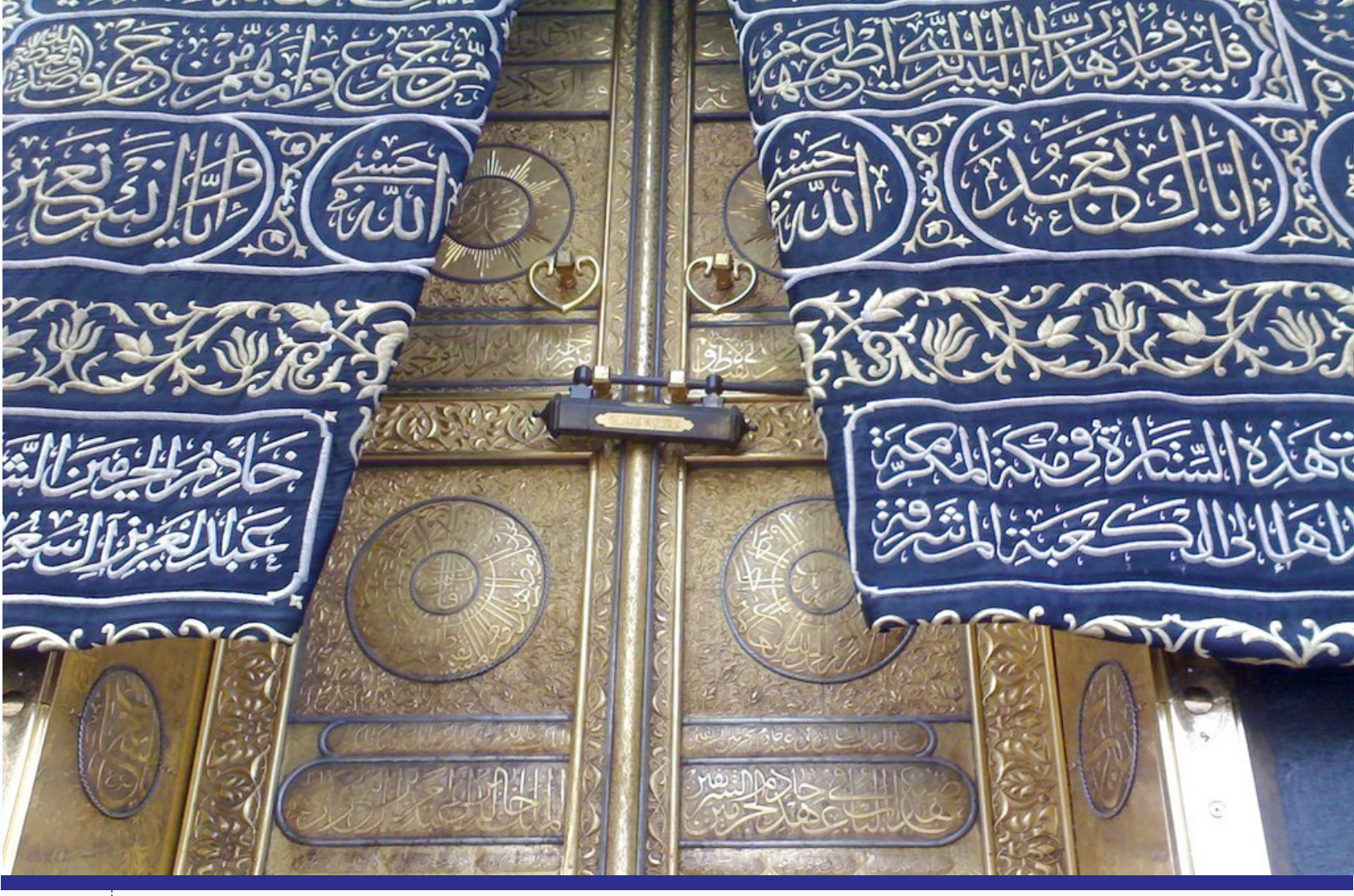

قبلہ کی تبدیلی کیوں؟

شیخ محمد حسین مطہری

قَدْ نَرى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّماءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضاها فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرامِ

ترجمہ: ہم آپ کو بار بار آسمان کی طرف منہ کرتے دیکھ رہے ہیں، سو اب ہم آپ کو اسی قبلے کی طرف پھیر دیتے ہیں جسے آپ پسند کرتے ہیں، اب آپ اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف کریں۔(سورہ بقرہ ۱۴۴)

مقدمہ: خانہ کعبہ جو مسلمانوں کا قبلہ اور مرکز ہے جس کی طرف تمام مسلمان بالاتفاق اپنی پانچ وقت کی نمازوں میں رخ کرتے ہیں یہ دنیا کا پہلا گھر تھا جو عبادت کی خاطر تعمیر ہوا جسے حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھااور گردش زمانہ سے اس عمارت کے آثار ہی باقی رہ گئے تھے حضرت ابراہیمؑ اپنے وطن سے ہجرت فرما کر فلسطین آئے تو اللہ تعالی نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے فرزند اسماعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو لے کر بلاد عرب کی طرف ہجرت کریں چنانچہ حضرت خلیل اللہ مکہ میں تشریف لائے اور حضرت اسماعیل جوان ہوئے تو ان کی مدد سے حضرت ابرہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا جس کی طرف قرآن میں اشارہ کرتے ہوئے خدا وندِ عالم نے فرمایا کہ :

وَ إِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ إِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيم

ترجمہ: اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم و اسماعیل اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے،(دعا کر رہے تھے کہ) اے ہمارے رب! ہم سے (یہ عمل) قبول فرما،یقینا تو خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔

اس قرآنی تعبیر کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بنیادیں پہلے سے موجود تھیں حضرت ابراہیم اور اسماعیلؑ اس کی صرف تعمیر نو کر رہے تھے اور دیگر قرآنی آیات سے بھی یہ بات ظاہر ہے کہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیم اور اسماعیلؑ کے تعمیر نو کرنے سے پہلے موجود تھا جیسا کہ خود حضرت ابراہیمؑ کے اس قول سے ظاہر ہے کہ جب اسماعیل اور

ھاجرہ کو مکہ کی سرزمین پر لایا تو اپنے پروردگار سے خطاب کرکے فرمایا :
رَبَّنا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتي بِوادٍ غَيْرِ ذي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنا لِيُقيمُوا الصَّلاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوي إِلَيْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَراتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُون
اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو تیرے محترم گھر کے نزدیک ایک بنجر وادی میں بسایا، ہمارے پروردگارا! تاکہ یہ نماز قائم کریں لہٰذا تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ یہ شکر گزار بنیں۔(سورہ ابراہیم ۳۷)
بلکہ یوں کہوں کعبہ کی تاریخ اور انسانی تاریخ ایک ساتھ چلی ہے اور کعبہ اس وقت سے محترم اور مقدس رہا ہے جب سے اس دنیا میں بنی نوع انسان نے قدم رکھا اور کعبہ ہر زمانے میں لوگوں کے لئے مرکز اور مرجع رہا ہے اور کعبہ ہی وہ جگہ ہے کہ جہاں ابو البشر حضرت آدم کا نزول ہوا اور نسل انسان کی دعوت دہی کا اہتمام ہوا اور کعبہ ہی انقلاب انبیاء کا مرکز و محور رہا ہے لہٰذا لفظ کعبہ کی قدامت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے جبکہ اس کے برعکس بیت المقدس کے لئے اس طرح کی کوئی تاریخ نہیں ہے بلکہ معروف یہ ہے کہ بیت المقدس کے بنیاد گزار اور تعمیر کرنے والے حضرت یعقوب تھے جو کہ حضرت اسحاق بن ابراہیم کی نسل سے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے فن تعمیر کا یہ کام اپنے جد ابراہیم کے آثاراور تعمیرات سے سیکھا۔جب کعبہ کی تاریخی حقیقت ایسی ہے اور تمام انسانوں کی نظر میں کعبہ محترم اور مقدس جگہ ہے تو سوال یہاں پر یہ پیدا ہوتا ہے کہ خاتم الانبیاء کی اقدار بعثت سے ہی خانہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ اور مرکز کیوں قرار نہیں دیا اور ایک عرصے تک بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کے بعد کن اسباب اور وجوہات کی وجہ سے مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے تبدیل کرکے خانہ کعبہ کو قرارد یا گیا ؟ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دینے کا زمانے کے اوپر کیا اثر ہوا اور ان کو کیا فائدہ ہوا؟
یہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے اس کا جواب خود قرآن مجید کے اندر موجود ہے اس کے علاوہ علماء اور مفسرین نے کئی وجوہات بیان کی ہیں ۔ قرآن مجید میں خدا وندِ عالم نے تحویل قبلہ کے پیچھے جو حکمت اور فلسفہ تھا اسے یوں بیان فرمایا :
وَ ما جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتي كُنْتَ عَلَيْها إِلاَّ لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلى عَقِبَيْهِ وَ إِنْ كانَتْ لَكَبيرَةً إِلاَّ عَلَى الَّذينَ هَدَى اللَّه
ترجمہ:اور آپ پہلے جس قبلے کی طرف رخ کرتے تھے اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا تاکہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے والوں کو الٹ پھر جانے والوں سے پہچان لیں اور یہ حکم اگرچہ سخت دشوار تھا مگر اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ لوگوں کے لئے اس میں دشواری نہیں ۔(بقرہ آیت ۱۴۲)
قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کعبہ بھی اگرچہ بالآخر مسلمانوں کا قبلہ تھا لیکن ابتدائے بعثت سے اس کو مسلمانوں کا قبلہ قرار نہیں دیا بلکہ مسلمانوں کو بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا تاکہ یہ دیکھیں کہ کون لوگ سابقہ روایات اور قومی تعصب اور گروہی ترجیحات کے پرستار ہیں اور کون لوگ ہیں جو ان فرسودہ خیالات سے آزاد ہو کر سچے دل سے حکم رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہیں اور کون لوگ ہیں جو آبائی اور قبائلی اعتبار سے قبلے کو تسلیم کرتے ہیں اور کون لوگ ہیں جو قبلے کو فرمانِ الٰہی کے تحت مانتے ہیں؟
در حقیقت بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ بنانا ایک طرف تو عربوں کی قوم پرستی ، نسل پرستی پر ایک کاری ضرب اوران کے لئے آزمائش اور امتحان تھا تو دوسری طرف نسل پرست اور متعصب بنی اسرائیل کے لئے ناقابل تحمل امر تھا۔
دوسرا جواب جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا وہ یہ ہے کہ چونکہ یہودی مسلمانوں پر یہ طنز کرتے تھے کہ تمہارا اپنا کوئی قبلہ نہیں ہے تم ہمارے قبلے کی طرف رخ کرتے ہو لہٰذا ہمارا مذہب اصل مذہب ہے اور حق ہے ۔ رسالتمآب ﷺ اس بات سے غمزدہ ہوتے تھے اور آپ رات کے وقت بار بار آسمان کی طرف نگاہ کرتے تھے کہ شاید اللہ تعالی کی طرف سے اس طعنے کا کوئی جواب نازل ہو لذا خداوند عالم نے اپنے حبیب کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے آیت نازل کی کہ :
قَدْ نَرى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّماءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضاها
اے حبیب ہم آپ کو بار بار آسمان کی طرف نگاہ کرتے دیکھ رہے ہیں لہٰذا ہم آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔(سورہ بقرہ ۱۴۴)
اور اس آیت کریمہ سے نبی اکرم ﷺ کا مقام و مرتبہ بھی بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ خداوند دعالم نے آپ کی رضایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا کہ آپ کو آپ کے پسندیدہ قبلہ کی طرف پھیر دیں گے ، یہ نہیں فرمایا کہ آپ کو ہم اپنے پسندیدہ قبلے کی طرف پھیریں گے ۔
کعبہ نبی اکرم ﷺ کی نظر میں کیوں پسندیدہ تھا اس کے جواب میں علماء فرماتے ہیں چونکہ کعبہ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے آباء و اجداد حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی یادیں وابستہ تھیں۔
تیسرا جواب جسے استاد محترم قبلہ شیخ محسن علی نجفی نے الکوثر فی تفسیر القرآن میں یوں ذکر فرمایا کہ چونکہ قبلے کو مرکزیت حاصل ہوتی ہے اس لئے جب تک امامت اور رہبری اولادِ اسحاق کے پاس تھی یہ خصوصیت بیت المقدس سے وابستہ رہی چونکہ اولا د اسحاق کی یادیں فلسطین اور بیت المقدس سے مربوط تھیں لیکن جب امامت عظمیٰ کا سلسلہ اولاد اسحاق سے منتقل ہو کر اولاد اسماعیل کے پاس آیا تو ان کا مرکز بھی بیت المقدس سے منتقل ہو کر بیت الحرام کی طرف آیا کیونکہ دین ابراہیمی اور نسل اسماعیل کی لازوال عظمتیں خانہ کعبہ کے ساتھ وابستہ تھیں ۔
چوتھا جواب یہ ہے کہ خود یہ سوال کہ کن وجوہات کی بناء پر بیت المقدس سے قبلے کو تبدیل کرکے کعبہ کی طرف منتقل کر دیا گیا غیر معقول ہے اس لئے کہ جس خالق نے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا تھا اسی نے کعبہ کو قبلہ قرار دیا اور اللہ کے فیصلے پر اعتراض نامعقول ہے اور بیت المقد س یا کعبہ میں سے کسی کو کوئی ذاتی خصوصیت حاصل نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر قبلہ صرف وہی ہو سکتا ہو، بلکہ قبلہ قرار پانے کے لئے جگہ کے تقدس کے ساتھ ساتھ اللہ کی رضایت اور فیصلہ بھی معیار ہے کیونکہ قبلہ اس کے حکم سے بنتا ہے اسی وجہ سے جب یہودیوں نے تحویل قبلہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ :
مَا وَلَّهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُواْ عَلَيْهَا (بقرہ ۱۴۲)
جس قبلے کی طرف یہ رخ کرتے تھے اس سے انہیں کس چیز نے پھیر دیا ؟ اس اعتراض کے جواب میں خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ :
قُل لِّلّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ
اے رسول ان سے کہہ دیں کہ مشرق و مغرب سب اللہ کے ہیں جسے چاہتا

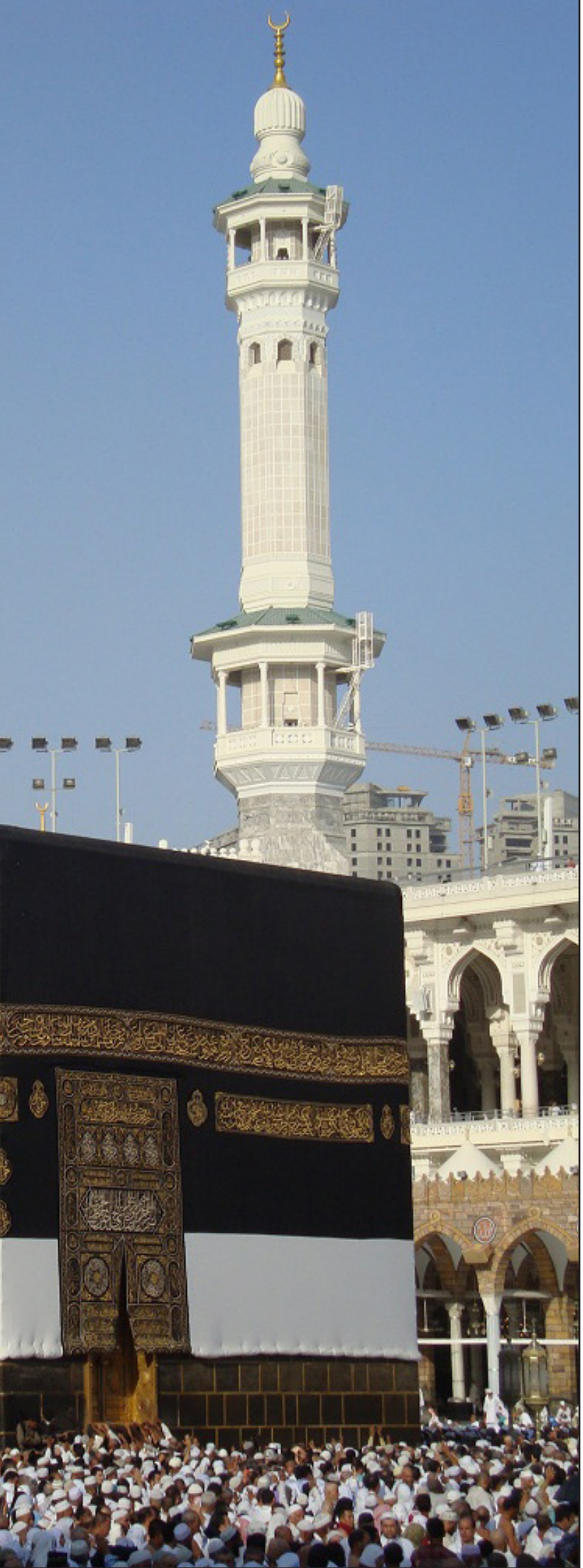

ہے راہ راست کی ہدایت فرماتا ہے ۔ (سورہ بقرہ ۱۴۲)
یعنی خدا کسی سمت میں محدود نہیں ہے کہ اس سمت کی طرف رخ نہ کرنے سے اللہ روگردانی لازم آتی ہو بلکہ اللہ ہر جگہ موجود ہے جسطرف بھی رخ کروگے اللہ کو ہی پاؤگے پس بندوں پر لازم ہے کہ وہ حکم خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے جس طرف اللہ رخ کرنے کا حکم کرے اسی طرف رخ کریں۔
دوسرا سوال کہ تحویل قبلہ سے مسلمانوں کو کیافائدہ ہوا؟
تحویل قبلہ سے مسلمانوں کو بہت سے فائدے ہوئے ۔
۱: مسلمانوں کو ایک مرکز مہیا ہو اجس کی طرف تمام دنیا سے مسلمان سفر کر کے آنے لگے اور مسلمانوں کو ایک تشخص ملا اور یہودیوں سے مکمل طور پر منفرد ہوگئے اب یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی جہت مشترک نہ رہی ، نہ عقیدہ توحید ، نہ رسالت ، نہ امامت اور نہ دیگر اعمال ، جبکہ پہلے قبلہ ایک جہت مشترکہ تھی اور کعبہ کو قبلہ قرار دینے کے بعد یہ جہت مشترکہ بھی ختم ہو گئی اور اللہ تعالی نے اپنے حبیب سے یہ فرما دیا کہ یہود کسی بھی صورت آپ سے راضی ہونے والے نہیں ہیں مگر یہ کہ آپ ان کے دین کو اختیار کرلیں۔
۲: دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے اقتصاد پر تحویل قبلہ کا اثر ہوا اور دور دراز سے لوگ مال تجارت لے کر مکہ کا رخ کرنا شروع کیا جس سے اطرف عالم کی تمام نعمتیں مکہ میں فراوان ہو گئیں اگرچہ یہ اس دعا ابراہیم ؑ کا اثر تھا جو ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے اس گھر کی تعمیر کے وقت کی تھی ، فرمایا تھا کہ :
وَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَاذَا بَلَدًا ءَامِنًا وَ ارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ ءَامَنَ مِنهُم بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الآخِرِ
اور (وہ وقت یاد رکھو) جب ابراہیم نے دعا کی: اے رب! اسے امن کا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان لائیں انہیں ثمرات میں سے رزق عنایت فرما۔(سورہ بقرہ ۱۳۶)
۳: جب کعبہ کو قبلہ مسلمین قرار دیا گیا تو مسلمانوں کے لئے اس شہر کو امن کا گہوارہ بنایا اور اس میں ہر قسم کے فتنہ و فساد و لڑائی جھگڑے اور خون خرابے کو ممنوع قرارد یا جہاں پہلے لوٹ مار ، قتل و غارت گری ایک رسم بن چکی تھی نہ صرف اس جگہ کو انسانوں کے لئے امن و آتشی کی جگہ بنادیا گیا بلکہ ان حدود میں بسنے والے جانوروں کو بھی اذیت پہنچانا ممنوع قرار دیا گیا۔
یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ سے مسلمانوں کی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی جانے والی نمازوں کا کیا ہوگا؟
اس سوال کا جواب خداوند عالم نے واضح الفاظ میں دیا اور فرمایا کہ :
مَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيم
اور اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا، اللہ تو لوگوں کے حق میں یقینا بڑا مہربان، رحیم ہے(سورہ بقرہ)
یعنی اللہ تعالی ایمان باللہ کی بنیاد پر بجالائی گئی نمازوں کو ضائع نہیں کرے گا۔
اس لئے بیت المقدس اگرچہ وقتی طور پر ہی سہی لیکن حقیقی قبلہ تھا اور بیت المقدس کے قبلہ ہونے کا حکم اگرچہ منسوخ ہوگیا لیکن نسخ کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ سابقہ حکم غلط تھا اور صحیح نہ تھا بلکہ نسخ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس وقت نسخ واقع ہوا اس وقت سابقہ حکم اٹھ گیا اور اس کا زمانہ ختم ہوگیا اور نسخ سے پہلے وہی سابقہ حکم ہی حکم واقعی اور حقیقی ہے لہذا جنہوں نے اس سابقہ حکم پر عمل کیا انہوں نے حکم واقعی پر عمل کیا اور اس کا اجرو ثواب اللہ کے نزدیک محفوظ ہے۔

مرجع عالی قدر سے پوچھے گئے سوالات و جوابات

مترجم: سید نذر حسنی

سوال: ہم دیکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی بعض روایات میں امام مہدی علیہ السلام کی طرف اس تعبیر کے ذریعے اشارہ کیا گیا ہے ''الخامس من ولد السابع'' یعنی وہ ساتویں امام کی اولاد سے پانچویں امام ہوں گے۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے لیے ممکن تھا کہ وہ یہ کہہ دیتے کہ'' السادس من ولدی'' کہ وہ میری اولاد سے چھٹے امام ہوں گے، یا ''الثانی عشر منا اہل البیت'' کہ امام مہدی علیہ السلام ہم اہلبیت سے بارہویں امام ہیں، جیسا کہ باقی آئمہ علیہم السلام سے مروی روایات میں اس قسم کی تعبیرات موجود ہیں، امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ تعبیرات کیوں استعمال نہ کیں، یا کیا امام جعفر صادق علیہ السلام اس تعبیر کے ذریعے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کے درمیان موجود شباہت اور تعلق کی طرف اشارہ کرنا چاہتے تھے؟

جواب: سب سے پہلے تو روایت کے صحیح تسلیم کر لینے کے بعد کلام کے سیاق و سباق اور جملوں کی ترکیب میں غور و غوض کیا جائے اور نحوی، صرفی اور لغوی اعتبار سے ، مختلف عوامل کے ذریعے اس بارے میں حکم لگایا جائے، ان عوامل سے میری مراد وہ چیزیں ہیں جن کا تقاضا فصاحت و بلاغت کرتی ہے، اور جن چیزوں کا طریقۂ بیان کو گھیرے ہوئے ہونا ضروری ہوتا ہے ، مثلاً جملوں کی وضع قطع کے حوالہ سے ، جملوں کے طویل یا مختصر ہونے کے حوالہ سے، جملہ میں بعض باتوں کو بعض پر مقدم کرنے اور بعض کو بعض کی طرف نسبت دینے کے حوالہ سے، یا بعض کو ذکر اور بعض کو حذف کر دینے کے حوالہ سے۔۔۔

پس اس اعتبار سے ممکن ہے امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہی مقصد ہو جبکہ وہ امام مہدی علیہ السلام کا تعارف کرواتے وقت '' الخامس من ولد السابع'' کی بجائے کہہ سکتے تھے کہ امام مہدی علیہ السلام میری اولاد سے چھٹے امام ہوں گے، یا اما مہدی علیہ السلام ہم اہل بیت میں سے بارہویں امام ہوں گے، شاید امام جعفر صادق علیہ السلام اس تعبیر اور بلاغی طریقہ کار کے ذریعے اسے ہر اس پہلو سے کامل بنا دینا چاہتے ہوں جس پہلو سے بھی امام علیہ السلام کا مقصد تاکید و تنبیہ کرنا تھا، اور ان پہلوؤں میں اپنے بیٹے حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت کی تصریح اور قطعی حکم بیان کرنا اور یہ بتانا شامل ہے کہ امام مہدی علیہ السلام حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے، اور اسی طرح بعید نہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا

مقصد حضرت مہدی علیہ السلام اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے درمیان بعض حوالوں سے موجود شباہت کو بیان کرنا ہو، مثال کے طور پر منصور دوانیقی کے دورِ حکومت میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے شیعوں سے دور رہنے پہ مجبور و مضطر تھے، اسی طرح حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی اپنے شیعوں سے ظاہراً دور رہنے پر مجبور ہیں، اور جس طرح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس بات پہ مجبور اور مضطر تھے کہ حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اپنے وصی اور اپنے بعد امام ہونے کی وصیت کو بہت سے لوگوں سے چھپائیں، اسی طرح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام بھی حضرت امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں وصیت کو چھپانے پہ مجبور و مضطر تھے، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ایک طویل عرصہ تک قید اور اپنے شیعوں سے دور رہنے کی وجہ سے بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یہی وہ امام ہیں جو طویل عرصہ تک لوگوں سے پوشیدہ رہنے کے بعد ظاہر ہوں گے، اور زمین کو عدل و انصاف سے پُر کر دیں گے، اور انہی لوگوں نے بعد میں ایک فرقہ کی شکل اختیار کر لی، جسے ''واقفیہ '' کہا جاتا ہے، اور جیسے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے شیعہ ، حکومت کی طرف سے اس ہستی کی تلاش کے سبب ظلم و ستم اور دباؤ کا شکار ہوئے جس کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے امامت کی وصیت فرمائی، بالکل اسی طرح حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبتِ صغریٰ کے دوران شیعوں کو بہت ظلم وجور کا سامنا کرنا پڑا۔

اس کے علاوہ ہمارے لیے یہ جاننا بھی بہت ضروری ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے جب یہ کلام ارشاد فرمایا تو اس وقت مجلس میں موجود افراد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے امام علیہ السلام نے اس بلاغی تعبیر کو استعمال کیا جس کے دیگر پہلو ہم سے مخفی ہیں کیونکہ اس روایت کے ضمن میں اس وقت موجود افراد اور محفل کے بارے میں کوئی بات بھی نقل نہیں ہوئی۔

سوال: بعض علماء کہتے ہیں کہ حضرت امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) سوائے حضرت امام علی، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہم السلام کے، تمام آئمہ علیہم السلام سے افضل ہیں اور یہ علماء اس کی دلیل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں ''تاسعھم قائمھم افضلھم'' یعنی امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے نویں امام قیامِ حق فرمائیں گے اور وہ ان تمام سے افضل ہیں۔ پس آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر امام کے لیے واجب ہے کہ وہ اپنے سے پہلے والے امام کی اطاعت و فرمانبرداری کرے، یہی وہ چیز ہے جو عقلی اور عقائدی حوالے سے افضلیت کا معیار اور میزان قرار پاتی ہے، باقی رہی وہ حدیث جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے تو اگر اس حدیث کی سند صحیح ہے تو اس میں معصوم علیہ السلام فرمانا چاہتے ہیں کہ بارہویں امام علیہ السلام کو خدا نے پوری دنیا میں اسلام کے نفاذ پہ مامور فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں اس کام کے لیے ہر طرح کے وسائل فراہم کرے گا، یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو فقط امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) کے ساتھ مختص ہے، باقی کسی امام علیہ السلام کے ساتھ یہ فضیلت مختص نہیں ہے،

سوال: شیخ مفید اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ اس وقت حضرت امام مہدی علیہ السلام یمن کی وادی ''شمروخ و شمریخ'' میں مقیم ہیں، جبکہ یمن کی تاریخ اور اس کے جغرافیائی محلِ وقوع کے مطابق یہ بات ثابت ہے کہ یمن میں اس نام کی کوئی وادی موجود نہیں ہے، تو اب اس روایت میں یمن سے کیا مراد ہے؟

جواب: وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سے مقامات اور شہروں وغیرہ کے نام تبدیل ہو گئے ہیں، مثلاً یونان کا دارالحکومت اثینا (ATHENS)، وہ اثینا نہیں ہے جو حکماء اور فلاسفہ کے دور میں ہوا کرتا تھا، اور اسی طرح بہت سے باقی شہروں کا بھی یہی حال ہے، پس اس وقت اس نام کی وادی کا نہ ہونا اس بات پہ دلالت نہیں کرتا کہ جس توقیع میں اس وادی کا ذکر ملتا ہے، اس کے صدور کے وقت اس وادی کا وجود نہیں تھا، اور دوسری بات یہ ہے کہ توقیع میں یہ بات موجود نہیں ہے کہ امام علیہ السلام ہمیشہ اسی وادی میں موجود رہیں گے، بلکہ ممکن ہے توقیع کے صدور کے وقت اس وادی میں ہوں، اور پھر وہاں سے کسی اور مقام کی طرف منتقل ہو گئے ہوں، کیا امام علیہ السلام کچھ عرصہ سامرہ میں نہیں رہے، اور کیا اسی طرح امام علیہ السلام حج کے دنوں میں حج کے لیے نہیں آتے، جبکہ انہیں کوئی بھی پہچان نہیں سکتا، پس اس وادی کی تلاش اور بحث وغیرہ میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کیوں امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے؟ اور یہ امر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیوں مختص ہے، کسی اور نبی کے ساتھ کیوں نہیں؟

جواب: آپ کا یہ سوال بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیوں حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آئے؟ پس رسولوں، انبیاء اور حجج الٰہی کا بھیجنا خدا کا فعل ہے، اللہ تعالیٰ کے ہر کام

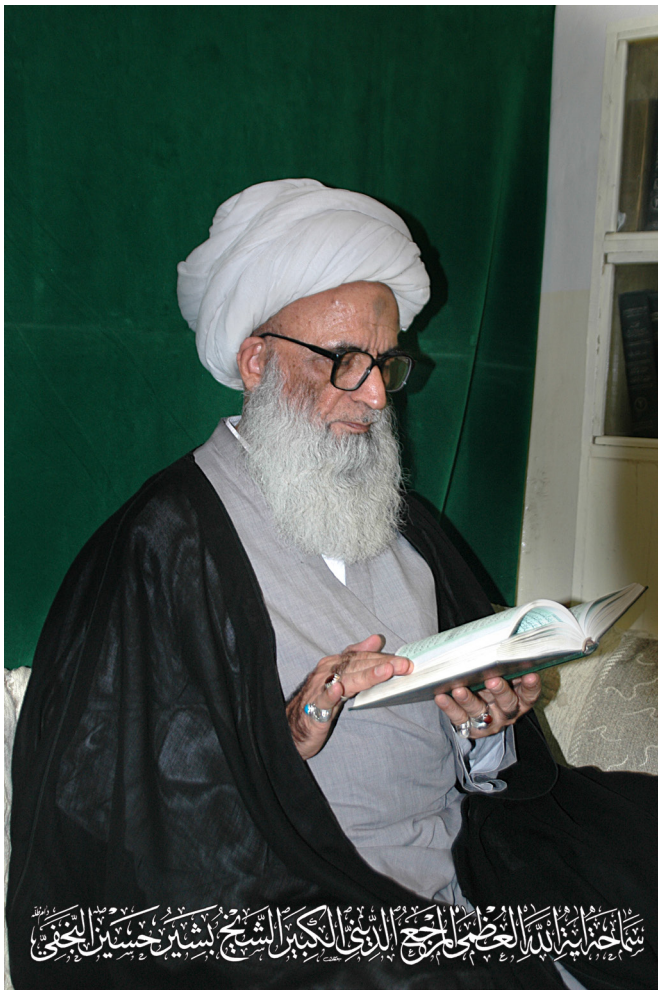

میں کیا مصلحت چھپی ہوتی ہے اس کا علم فقط خدا کو ہوتا ہے۔

بہر حال اس بات کا جاننا انتہائی ضروری ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ تکالیف اور پریشانیاں اہلِ کتاب یہود اور نصاریٰ سے پہنچیں، عیسائیوں اور یہودیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی پیروی کریں، پس جب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت امام المنتظر (عجل اللہ فرجہ) کی فوج میں دیکھیں گے تو یہ ان کے لیے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پہ محکم دلیل ہو گی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو امام المنتظر (عجل اللہ فرجہ) کے ساتھ شاید اس لیے خاص قرار دیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لشکرِ امام میں موجودگی جنگ سے پہلے اہلِ کتاب کے لیے اتمامِ حجت قرار پائے۔

سوال: امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) کے ظہور کے بعد سب سے پہلے کون امام علیہ السلام کی بیعت کرے گا؟

جواب: بعض روایات میں ہے کہ امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) کے اہلِ بدر کی تعداد کے برابر انصار ہوں گے اور وہی سب سے پہلے مکہ میں ان کی بیعت کریں گے اور بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام امامِ زمانہ علیہ السلام کی بیعت کریں گے، لیکن میرے نزدیک ان روایات کی سند ثابت نہیں ہے، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کہاں اور کون امام علیہ السلام کی سب سے پہلے بیعت کرے گا۔

جرمنی میں اہل تشیع کے مرکزی تنظیم کے سربراہ کی مرجع عالی قدر دام ظلہ سے ملاقات

جرمنی میں اہل تشیع کے مرکزی تنظیم کے سربراہ شیخ حسن زادہ نے مرجع عالی قدر دام ظلہ سے ان کے مرکزی دفتر نجف اشرف میں ملاقات کی اس ملاقات میں مرجع عالی قدر دام ظلہ نے اس بات پر زور دیا کہ پوری دنیا میں اہلبیت کی فکر کو پیش کیا جائے اور اہل بیت کے اخلاقی اور معنوی کردار کو بیان کیا جائے اور اس پورے عالم کو اسلام حقیقی کا وہ روشن چہرہ متعارف کرایا جائے جو انسانیت کے احترام کے بارے میں ہے۔

آخر میں مرجع عالی قدر دام ظلہ نے اس بات پر بھی تاکید کی کہ پر امن معاشرہ کی تشکیل ،آپس میں الفت محبت کہ جو اسلام کے سنہری اصول ہیں ان کو بھی اقوام عالم کے سامنے پیش کیا جائے ۔ دوسری طرف شیخ حسن زادہ نے مرجع عالی قدر دام ظلہ کا شکریہ ادا کیا اور جرمنی میں رہنے والے مؤمنین کے سلام مرجع عالی قدر کی خدمت میں پیش کئے۔

لاہور اور سیالکوٹ سے آئے ہوئے مؤمنین کی مرجع عالی قدر دام ظلہ سے ملاقات

صوبہ پنجاب کے شہر لاہور اور سیالکوٹ سے آئے ہوئے مؤمنین نے مرجع عالی قدر دام ظلہ سے ان کے مرکزی دفتر نجف اشرف میں ان سے ملاقات کی ۔ اس ملاقات میں مرجع عالی قدر دام ظلہ نے فرمایا کہ میرے بر صغیر کی وہ قوم ہے کہ اگر یہ بیدار ہوجائے تو اس کے ساتھ میں پوری دنیا کو فتح کر لوں گا اور فتح کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں توپوں اور ٹینکوں سے فتح کروں یہ کام تو بزدل لوگوں کا ہے بلکہ فتح کرنے کا یہ مطلب ہے کہ میں پوری دنیا کے دلوں پر حکومت کروں گا ۔ اس ملاقات میں مرجع عالی قدر دام ظلہ نے اس بات کی وضاحت کی کہ حاکم تین قسم کے ہوتے ہیں ا: وہ جو خود بھی کھاتا ہے اور عوام کو بھی کھلاتا ہے ۔ ۲:وہ حاکم جو خود تو کھاتا مگر عوام کو نہیں کھلاتا ۔ ۳:وہ حاکم ہے جو خود بھوکے رہتے ہیں مگر عوام کو کھلاتے ہیں۔ اس تیسرے قسم کے حاکم فقط جناب امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔

اس ملاقات میں مرجع عالی قدر دام ظلہ نے اس نقطے پر بھی زور دیا کہ اگر مرد و عورت اپنے اپنے حقوق شرعی طور پر ادا کریں تو ان میں طلاق واقع نہیں ہوگی ۔

دوسری طرف مؤمنین نے مرجع عالی قدر دام ظلہ سے پوچھا کہ اگر انسان کو نماز جماعت میں نماز کے دوران زیادہ خیالات آتے ہیں جب کہ فرادی اور اکیلی نماز پڑھنے میں کم خیال آتے ہیں تو انسان کیا کرے؟ تو مرجع عالی قدر دام ظلہ نے فرمایا کہ پس شیطان آپ کو نماز باجماعت سے دور کرنا چاہتا ہے آپ نماز کے دوران اس بات کو یاد رکھیں کہ آپ کس ذات کی بارگاہ میں کھڑے ہیں اور اپنے گناہوں کو یاد کریں آخر میں مرجع عالی قدر دام ظلہ نے مؤمنین کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے بیٹو! اور میری بیٹیو! آپ احکام اسلام پر عمل کرو اور جب آپ زیارت سے واپس جاؤ تو آپ تبدیل ہو کر جاؤ اور جب آپ واپس جائیں اور لوگ آپ سے پوچھیں کہ آپ کو کس نے بدلا ہے تو آپ کہیں کہ مجھ کو اس حسین علیہ السلام نے بدلا ہے جس نے حر کو بدلا تھا۔

لندن ،امریکہ اور کینیڈا سے آئے ہوئے مؤمنین کی مرجع عالی قدر دام ظلہ سے ملاقات

لندن ،امریکہ اور کینیڈا سے آئے ہوئے مؤمنین نے مرجع عالی قدر دام ظلہ سے نجف اشرف میں ملاقات کی اس ملاقات میں زائرین نے مختلف مسائل کے حل کے بارے میں مرجع عالی قدر دام ظلہ سے سوالات کئے اور کہا کہ ہمارے مسلمان اور مؤمن بچے کینیڈا میں سٹور پر کام کرتے ہیں اور چیزوں کو فروخت کرتے ہیں اور ان فروخت کرنے والی چیزوں میں سے ایک شراب بھی ہے تو کیا سٹور پر کام کر سکتے ہیں تو مرجع عالی قدر دام ظلہ نے فرمایا کہ وہ اس سٹور پر کام نہیں کر سکتے ان کے لئے کام کرنا حرام ہے ہاں اگر وہ مالک کو کہتے ہیں کہ ہم شراب نہیں بیچیں گے باقی چیزیں فروخت کریں گے تو پھر ان کا اس سٹور پر کام کرنا جائز ہے ۔ مرجع عالی قدر دام ظلہ نے آخر پر مؤمنین کو اس نکتہ کی طرف متوجہ کیا کہ اگر قافلے میں کوئی ضعیف اور بوڑھا آدمی ہے تو اہل قافلہ کو چاہئے کہ اس کی مدد کریں اس کی رہنمائی کریں اور اس کے ساتھ بہترین سلوک کریں۔

اسلام آباد ،راولپنڈی ملتان ، بہاولپور اور بھکر اور میانوالی سے آئے ہوئے مومنین کی مرجع عالی قدر دام ظلہ سے ملاقات

پاکستان کے مختلف اضلاع سے آئے ہوئے مومنین نے مرجع عالی قدر دام ظلہ سے نجف اشرف میں ان کے مرکزی دفتر میں ملاقات کی۔ اس ملاقات میں مرجع عالی قدر دام ظلہ نے فرمایا آئے مومنین کرام ۔۔! زیارت قبول ہونے کی یہ نشانی ہے کہ انسان کے اندر کوئی مثبت تبدیلی آئے ۔ جب آپ واپس جائیں زیارت کرکے اور لوگ آپ سے پوچھیں کہ آپ تو زیارت کے بعد تبدیل ہو کر آئے ہیں آپ کو کس نے بدلا ہے؟ تو آپ کہیں کہ مجھے اس نے بدلا ہے جس نے حضرت حر کو بدلا تھا۔

میرے بیٹے یہ کبھی خیال نہ کرنا کہ چند گھنٹے ضریح کے پاس بیٹھنے سے جنت کی چابیاں آپ کے ہاتھ میں آجائیں گی۔

اس ملاقات میں توریہ کے بارے میں کئے گئے سوال کے جواب میں مرجع عالی قدر دام ظلہ نے فرمایا میرے نزدیک توریہ اس وقت جائز ہے جب جان یا مال پر خوف ہو ۔

مرجع عالی قدر دام ظلہ نے قضا نمازوں کو بجالانے کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ علامہ حلی نے اپنی ساری زندگی کی نمازوں کو تین دفعہ ادا کیا اور استاذ المجتہدین آقائے ابوالقاسم سید خوئی قدس سرہ نے بھی ایسا ہی کیا تھا ۔ اور انہوں نے وصیت بھی کی تھی کہ میری نمازوں اور روزوں کو دوبارہ ادا کیا جائے۔ ان مجتہدوں نے اپنی نمازوں کو دوبارہ پڑھا حالانکہ ان کی کوئی نماز قضا نہیں تھی۔

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم

المهدي

من ولد فاطمة

سماحة آية الله العظمى مرجع الدين الكبير الشيخ بشير حسين النجفي دام ظله الوارف